© rasailojaraid.com

سنت کی آئینی حیثیت

تحریر: غلام احمد چوہدری، سینئر لائبریرین: پنجاب پبلک لائبریری، لاہور

خداوند تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے امت مسلمہ بلکہ پوری کائنات کو تین بڑی نعمتیں عطا کی ہیں۔ پہلی نعمت یعنی نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق پیغمبر خدا احمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور قدسی ہے دوسری نعمت جو اسی پیغمبر کے ذریعے سے عطا ہوئی وہ ''قرآن حکیم'' ہے اور تیسری نعمت بھی اسی وسیلہ سے ''دین کی تکمیل'' ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (۱)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند فرمایا'' (سورۃ المائدۃ: ۳)

ہمارا ایمان ہے کہ حضورؐ صرف ایک نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبین ﷺ ہیں۔ صرف ایک رسول ہی نہیں بلکہ آخر الرسل ہیں اور آپؐ پر نبوت ورسالت کا صرف اختتام ہی نہیں ہوا بلکہ اتمام واکمال بھی ہوا ہے۔

''سنت کی آئینی حیثیت'' کا یہ موضوع مندرج تین جہات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

(الف) سنت (ب) آئین (ج) سنت کی آئینی حیثیت

سنت کی لغوی واصطلاحی تعریف:

سنت کے لغوی معنی ''راستہ'' اور ''طریقہ'' کے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہے۔

﴿السنة لغة الطريقة والمراد بها في اصطلاح الشارع و اهل عصره مادل عليه

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلیل من قوله اوفعله او تقریره﴾ (۲)

"سنت کے لغوی معنی راستہ کے ہیں اور اصطلاح شارع میں اور اہل زمانہ کے نزدیک اس سے مراد وہ چیز ہے جس پر حضور علیہ السلام کے قول، فعل، تقریر سے کوئی دلیل مہیا ہو"

اور اصطلاح میں سنت اس راہ اور عمل کو کہتے ہیں جسے نبی کریمؐ نے اپنی زندگی میں اختیار کیا ہو۔

﴿السنة تطلق علی قول الرسول و فعله و علی اقوال الصحابة﴾ (۳)

"سنت کا اطلاق نبی کریمؐ کے قول، فعل اور صحابہ کرام کے اقوال پر ہوتا ہے"

ڈاکٹر صبحی محمد محمصانی نے سنت اور حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سنت کی تین قسمیں ہیں۔

(i) سنت قولی : جس کا ماخذ نبی کریمؐ کے اقوال ہیں۔

(ii) سنت فعلی : جس کا ماخذ آپؐ کے افعال ہیں۔

(iii) سنت تقریری : وہ افعال جن کا علم ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے سکوت اختیار فرمایا یا رضامندی کا اظہار فرمایا۔ (۴)

علماء اصولین متفقہ طور پر حدیث کو آئین اسلامی کا دوسرا بڑا ماخذ قرار دیتے ہیں اور عموماً اس کو بجائے حدیث کے سنت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ آمدی لکھتے ہیں :

﴿ واما فی الشرع فقد تطلق علیٰ ما کان من العبادات فاضلة منقولةً عن النبی علیه السلام، وقد تطلق علیٰ ما صدر عن الرسول ﷺ من الادلة الشرعیة بما هو لیس بمتلو ولا هو بمعجز ولا داخل فی المعجز ویدخل فی ذالك اقوال النبی علیه السلام و افعاله و تقاریره﴾ (۵)

"شرع اسلام میں سنت کے لفظ کا اطلاق ان تمام امور پر ہوگا جو نبی کریمؐ سے منقول ہیں اسی طرح ان دلائل پر بھی ہوگا جو نبی کریمؐ سے قولاً یا عملاً ثابت ہوئے لیکن وہ قرآنی حصے نہیں ہیں اس طرح لفظ سنت میں آپؐ کے تمام اقوال افعال اور تقریرات شامل ہوں گی"

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اپنی کتاب "سنت کی آئینی حیثیت" میں سنت بحیثیت آئین اسلامی کے ماخذ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں :

"سنت کی آئینی حیثیت سے مراد آپ کا وہ بالاتر قانون (آئین) ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے یہ آئین حضورؐ سے ہم کو دو شکلوں میں ملا ہے ایک قرآن کریم، جو لفظ بلفظ احکام خداوندی پر مشتمل ہے دوسرے حضورؐ کا اسوۂ حسنہ یا آپؐ کی سنت جو قرآن پاک کی تشریح و توضیح کرتی ہے" (۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت اور حدیث میں فرق

حدیث کے معنی و مفہوم :

حدیث کا مادہ ح د ث ہے۔ عین کلمہ یعنی د کے فتح (زبر) کے ساتھ ہے اس کا مضارع یحدث، عین کلمہ کے ضمہ (پیش) کے ساتھ آتا ہے۔

مادہ حدیث یعنی حدث کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں :

حدث :﴿الحدیث نقیض القدیم والحدوث نقیض القدامة﴾(۷)

"حدث : حدیث قدیم کی اور حدوث قدامت کی ضد ہے"

اس دعویٰ کی دلیل دیتے ہوئے ابن منظور نبی کریمؐ کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں :

﴿کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة﴾(۸)

"ہر نئی چیز بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے"

حدیث کے اصطلاحی مفہوم کے ضمن میں نورالدین عتر لکھتے ہیں :

﴿ ما اضیف الی النبیﷺ من قول او فعل او تقریر او وصف خلقی او خلقی﴾(۹)

"ہر وہ قول، فعل، تقریر، عادت اور سیرت جو نبی کریمؐ سے منسوب ہو حدیث ہے"

اس حدیث میں آپﷺ کے (۱) تمام اقوال، (۲) تمام افعال (۳) صحابہ کرام کا وہ قول یا فعل، جس کو علم ہونے کے باوجود آپؐ نے منع نہیں فرمایا، (۴) آپ کی عادات (۵) آپؐ کی تخلیقی صفات سبھی شامل ہیں۔ حدیث کی اس تعریف میں آپؐ کی وہ صفات بھی شامل ہو گئیں جو فطری اور پیدائشی طور پر بارگاہ الٰہی کی جانب سے آپ کو ودیعت کی گئیں اور انہیں حاصل و اختیار کرنے میں آپؐ کے کسب و اختیار کو دخل نہیں۔

شرح نخبة الفکر میں ملا علی قاری نے حدیث کی تعریف یوں کی ہے :

﴿ و فی اصطلاحہم قول رسول اللہ و فعله و تقریره و صفته حتی فی الحرکات و السکنات فی الیقظة والمنام﴾(۱۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تعریف میں نبی کریمؐ کے بیداری کے افعال واقوال کے علاوہ آپؐ کے رویا اور خواب بھی حدیث میں داخل ہو گئے۔

حدیث وسنت میں فرق

لفظ حدیث اور سنت عام طور پر ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مگر اہل فن ان میں تھوڑا سا فرق بھی بیان کرتے ہیں:

﴿ھو اسم من التحدیث، وھو الاخبار ثم سمی بہ قول اوفعل او تقریر نسب الی النبیؐ﴾(۱۱)

"یہ تحدیث سے اسم ہے اور یہ خبر دیتا ہے اور پھر اس سے وہ قول، فعل اور تقریر مفہوم لئے گئے ہیں جن کی نسبت نبی کریمؐ کی طرف کی گئی ہو"

یعنی اس میں آنحضرتؐ کے اقوال اور افعال دونوں شامل ہیں اور سنت خاص کر افعال نبیؐ کے لئے بولا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے مقدمہ مشکوٰۃ میں اس بات کی تصریح کی ہے:

﴿اعلم ان الحدیث فی اصطلاح جمھور والمحدثین یطلق علی قول النبی و فعلہ و تقریرہ﴾

"جان لو کہ جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق نبی کریمؐ کے قول فعل اور تقریر پر ہوتا ہے"

پس ثابت ہوا کہ حدیث سے مراد جناب رسول کریمؐ کی بات چیت، فرامین اور تقریر ہے۔ جبکہ سنت سے مراد حضورؐ کے افعال واعمال ہیں جن کے راستوں پر حضورؐ چلتے رہے اور چلنے کی تلقین کرتے رہے۔

علامہ شوکانیؒ ارشاد الفحول میں، علامہ سلیمان لاہوری مفتاح الاصول میں، نواب حسن صدیقی الاصل منھم الاصل میں، علامہ وحید الزمان لغات الحدیث میں، عبدالصمد صارم تاریخ حدیث میں، علامہ ابن خلدون مقدمہ ابن خلدون میں، حدیث وسنت کا یہی فرق بیان کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئین ـــ قانون

اسلام میں آئین کی حیثیت :

دنیا میں ہر بڑے "دین" نے انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے کمال کا اندازہ اس کی جامعیت، حقیقت پسندی اور عملیت ہی سے ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر 'دین کامل' وہی ہے جو ایک معقول اور بسیط عقیدہ پیش کرے اور ایسی شریعت کا اہتمام کرے جو انسانی زندگی کو نہ صرف سنوار سکے بلکہ اس میں صلاح و فلاح پیدا کرے۔ صرف اسلام ہی ایسا "دین" ہے جو ان شرائط پر پورا اترتا ہے۔

دین اپنے دو اجزاء عقیدے اور شریعت پر مشتمل ہے عقیدے سے مراد کچھ تصوری چیزوں کا اعتراف ہے۔ اس اعتراف سے انسان پر جو پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور آئین و قوانین اس دنیوی زندگی میں مترشح ہوتے ہیں ان کے مجموعے کا نام "شریعت" ہے۔

تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اور دنیا میں اسلام کی اشاعت و وسعت کی بدولت ہزارہا نئے مسائل پیدا ہوئے۔ علمائے اسلام نے اپنے اجتہاد سے ان تمام مسائل کو حل کیا اور اس طرح آئین اسلامی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب یہ آئین اور قانون اپنے تمام اساس اور فروغ کے ساتھ درجہ کمال کو پہنچ گیا۔ اس طرح ہم آئینی اور قانونی زندگی کے چار دور دیکھتے ہیں۔

پہلا دور حیات رسول اللہ ﷺ کا زمانہ ہے جس میں آئین کی اساس اور کلیئے طے ہوئے اسے ہم دور آغاز سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد صحابہؓ کبار اور تابعین کا دور آیا جو پہلی صدی ہجری کے کچھ بعد تک رہا۔ یہ آئین اسلامی کا دور شباب تھا جس میں تمام شعبہ ہائے زندگی کے بنیادی اصول قرآن و سنت کی روشنی میں طے ہوئے پھر پختگی اور کمال کا دور آیا جو چوتھی صدی ہجری کے نصف تک قائم رہا اور اس میں پورے نظام فقہ کی تدوین ہوئی اور بڑے بڑے آئمہ مجتہدین کا ظہور ہوا اس کے بعد دور تقلید کا آغاز ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ دور حاضر میں اگرچہ فقہ کی تدوین جدید کا رجحان عام ہے اور ہر جگہ اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور عصر حاضر میں رابطہ عالم اسلامی کے تحت فقہ کی تدوین نو اجتماعی سطح پر کی جا رہی ہے جس کا صدر مقام مکہ مکرمہ ہے اور انفرادی سطح پر عالم اسلام کی معتبر شخصیات نے تمام مکاتب فکر کو یکجا کر کے متفقہ امور کی تدوین کی جا رہی ہے جس کی بہترین مثال عبدالرحمٰن الجزیری کی کتاب "کتاب الفقہ" ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئین اسلامی کے اصلی ماخذ دو ہیں۔

(۱) کتاب اللہ، (۲) سنت رسول اللہ ﷺ۔

چونکہ ان میں انسان کا کوئی دخل نہیں اس لئے انہیں منصوص علیہ کہتے ہیں شریعت اسلامی کی بنیاد انھی پر منحصر ہے ان دو کی مدد سے تیسرا ماخذ پیدا کیا گیا جسے "اجتہاد" کہتے ہیں یعنی انسان اپنی عقل و فکر سے قرآن و سنت کے احکام، نظائر اور حکمت کی روشنی میں ایسے نئے مسائل بھی حل کر سکتا ہے جن پر کوئی نص موجود نہیں۔

اجتہاد کے دو بڑے مظاہر اجماع اور قیاس ہیں یعنی جب مسائل دینیہ میں انفرادی رائے ظاہر ہو تو وہ قیاس ہے اور جب اس انفرادی رائے پر بہت سے مجتہدین کا ایک خاص وقت میں اور ایک خاص ملک میں اتفاق ہو جائے تو اس کو اجماع کہتے ہیں۔

فقہ اسلامی اور آئین اسلامی کے تمام اصول اور بیشتر فروع انھی ماخذ سے لئے گئے ہیں، لیکن چونکہ تمدن انسانی میں بڑا تنوع ہے اور حالات کے اقتضاء سے مسائل کی نوعیت و حکمت بدلتی رہتی ہے علاوہ ازیں اقوام اور عوام کے حسن و قبح اور عرف کا معیار مختلف ہوتا ہے اور بدلتا رہتا ہے اس لئے آئے دن قانون و آئین پر لفظی عمل نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی اس سے ہٹ کر بھی چلنا پڑتا ہے اور ایسا نہ ہو تو زندگی کے حالات سنگین ہو جاتے ہیں اندریں حالات فقہائے اسلام نے ان تمام باتوں کی رعایت کی اور مذکورہ چار مصادر کے علاوہ کچھ اور مصادر و ماخذ کو بھی اصول میں شریک کیا جنہیں وہ آئین و قانون کے خارجی ماخذ قرار دیتے ہیں اور وہ ہیں :

"استحسان، مصالح مرسلہ اور عرف"(۱۲)

سنت کی آئینی حیثیت

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے اپنے خطبہ میں سنت کی آئینی حیثیت کو بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

> سنت کی آئینی حیثیت سے مراد آپ ﷺ کا وہ بالاتر قانون ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ حضورؐ محض خدا کے نامہ بر نہیں تھے بلکہ حاکم، راہنما اور معلوم تھے ان کا کام یہ تھا کہ اپنے قول و فعل سے قانون الٰہی کی تشریح کریں ان کا صحیح منشاء سمجھائیں، افراد کی تربیت کریں اور ایک منظم جماعت کی شکل دے کر معاشرے کی اصلاح کے لئے جدوجہد کریں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے بحیثیت ایک قائد، راہنما، حاکم، قاضی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شارع، شارح، مربی، معلم اور سپہ سالار، عقائد و تصورات سے لے کر عملی زندگی کے تمام گوشوں تک مسلم سوسائٹی کی پوری تشکیل کی ہے۔ آپؐ نے نہ صرف دینی معاملات کی تشریح و توضیع اور لائحہ عمل دیا بلکہ شادی بیاہ، طلاق، وراثت، خاندانی معاملات، تجارت، لین دین، غزوات، صلح، امن مسلم مملکت کے ضابطے اور جملہ پہلوؤں کا نظام حیات اپنی آئینی سنتوں پر قائم کیا۔ آپؐ نے کتاب اللہ کی روشنی میں عدالتی، انتظامی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، دینی اور سیاسی معاملات کے فیصلے صادر فرمائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کی آئینی سنت پر جو معاشرہ اسلام کے آغاز میں پہلے دن قائم ہوا تھا وہ اس وقت سے آج تک مسلسل زندہ ہے اس کی زندگی میں ایک دن کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے اور اس کے تمام ادارے اس ساری مدت میں پیہم کام کرتے رہے ہیں۔ آج تمام دنیا کے مسلمانوں میں عقائد اور طرز فکر، اخلاق اور اقدار (Values) عبادات اور معاملات، نظریہ حیات اور طریق حیات کے اعتبار سے جو گہری مماثلت پائی جاتی ہے جس میں اختلاف کی نسبت ہم آہنگی کا عنصر بہت زیادہ موجود ہے جو ان کو تمام روئے زمین پر منتشر ہونے کے باوجود ایک امت بنائے رکھنے کی سب سے بڑی بنیادی وجہ ہے۔ یہی اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ اس معاشرے کو کسی ایک ہی سنت پر قائم کیا گیا تھا اور وہ سنت ان طویل صدیوں کے دوران میں مسلسل جاری رہی ہے۔[۱۳]

ابوالحسنات پیر محمد کرم شاہ اپنے مقالہ میں ایک آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وہ لوگ جو میرے محبوب رسولؐ کا اتباع نہیں کرتے۔ اس کے نقش پا کو اپنا خضر راہ نہیں بناتے اس کی سنت کی آئینی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے اس کے ارشادات کے سامنے سمعنا و اطعنا کہتے ہوئے سر تسلیم خم نہیں کر دیتے اور پھر کہتے ہیں کہ اے رب! ہمارے دل تیری محبت سے سرشار اور سینے تیرے نور عشق سے معمور ہیں، جھوٹے ہیں۔ ان کا تو مجھ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر واقعی انہیں مجھ سے الفت ہے تو میرے رسولؐ کا اتباع کریں اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ میں بھی ان سے محبت کرنے لگوں گا یعنی پہلے وہ صرف محب تھے اور اس دعوئے محبت کی صداقت پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تھی۔ لیکن جب رسولؐ کی غلامی کا شرف انہیں حاصل ہو جائے گا تو ان کا دعویٔ محبت بھی مسلم اور انہیں خلعت محبوبیت بھی مبارک!

محبوبیت حقیقت میں خدا اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں پختگی اور ثبات کا نتیجہ ہے اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت کی طرف تو حضرت اقبالؒ نے اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے :

چوں تمام افتد، سراپا ناز، می گردو نیاز
قیس را لیلی ھمے نامند در صحرائے من

اب اگر کوئی محبت الٰہی کا مدعی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نبیؐ کی اطاعت نہیں کرتا تو وہ نادان ہے یا اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ نبی کریمؐ کی مزید برکات وخیرات کا بھی ذکر فرمایا کہ : ﴿ یغفر لکم ذنوبکم ﴾

کہ اطاعت رسول کی برکت سے تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ تمہاری لغزشوں اور کوتاہیوں پر قلم عفو پھیر دی جائے گی۔ اطاعت رسول عربی وہ اکسیر ہے جس سے جان بلب مریض شفا یاب ہو جاتا ہے اس کے اعجاز سے ان قوموں کو تاج سروری عطا کیا جاتا ہے جو قعر مذلت میں مدتوں سے پڑی سڑ رہی ہوتی ہے اسی کیصدقے ان امتوں کو حیات نو اور ذوق عمل مرحمت کیا جاتا ہے جو اپنی مست گامی سے زندگی کی دوڑ میں شکست کھا چکی ہوتی ہیں۔

تو چناں ہمائی اے جاں کہ بزیر سایۂ تو
بکف آورند زاغاں ہمہ خلعت ہمائی(۱۴)

قرآن پاک میں سنت کی آئینی حیثیت کا تعین

کلام کی عظمت ورفعت اور عمل کا اندازہ متکلم اور عامل کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ حدیث وسنت اس ذات والا صفات کا کلام اور عمل ہے جس کا مقام اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد ساری کائنات میں اولین و اعلیٰ ترین ہے خداوند قدوس نے آپ کو صرف منصب ختم رسالت پر ہی فائز نہیں فرمایا بلکہ آخری کتاب بھی آپؐ پر نازل فرمائی جس کی تشریح وتوضیح اور اس پر عمل کرنا آپؐ کے ذمہ تھا۔ یہ دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ مکتوب کے اصل مطالب کو مکتوب الیہ ہی سمجھ سکتا ہے لہذا قرآن پاک کے مطالب و معنی وہی درست ہیں جنہیں آپؐ نے سمجھا، سمجھایا اور ان پر عمل کیا۔ قرآن پاک پر غور کرنے سے سنت کی آئینی حیثیت اور اس کا مقام سامنے آجاتے ہیں۔

سنت کی آئینی حیثیت کو قرآن پاک کی چند آیات کی روشنی میں درج ذیل آسان عنوانات کے تحت یوں دیکھا جا سکتا ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسولؐ بحیثیت پیشوا و نمونہ تقلید

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعو نی یحببکم اللّٰہ و یغفر لکم ذنوبکم واللّٰہ غفور رحیم﴾(۱۵)

"(اے میرے رسول) تم فرماؤ! اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ اور تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

(سورہ آل عمران : ۳۱)

﴿ قل اطیعو اللّٰہ والرسول فان تولوا فان اللّٰہ لا یحب الکافرین﴾(۱۶)

"کہو کہ اطاعت کرو اللہ اور رسولؐ کی پھر اگر وہ منہ موڑتے ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا" (سورہ آل عمران : ۳۲)

سورۃ احزاب میں ارشاد ربانی ہے :

﴿لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللّٰہ والیوم الاخر﴾(۱۷)

"تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک نمونہ تقلید ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو" (سورہ احزاب : ۲۱)

اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول کو پیشوا مقرر کر رہا ہے ان کی پیروی کا حکم دے رہا ہے ان کی زندگی کو نمونہ تقلید قرار دے رہا ہے اور صاف فرما رہا ہے کہ یہ روش اختیار نہ کرو گے تو مجھ سے کوئی امید نہ رکھو۔ میری محبت اس کے بغیر تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے منہ موڑنا کفر ہے۔

قرآن کے یہ الفاظ غیر مشتبہ طریقے سے آنحضورؐ کو مامور من اللہ راہنما و پیشوا قرار دے رہے ہیں تو پھر آپؐ کی پیروی اور سنت کو آئینی حیثیت دینے سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے اس کے جواب میں یہ کہنا سراسر لغو ہے کہ اس سے مراد قرآن کی پیروی ہے اگر یہ مراد ہوتی تو ﴿فاتبعوا القرآن﴾ فرمایا جاتا نہ کہ ﴿فاتبعونی﴾ اور اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ کہنے کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شارع

سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ یامرھم بالمعروف و ینھھم عن المنکر ویحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبئث ویضع عنھم اصرھم والا غلل التی کانت علیھم﴾(۱۸)

"وہ ان کو معروف کا حکم دیتا اور منکر سے روکتا ہے ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور اینددھن اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے"

اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریعی اختیارات (Legislative Powers) عطا کئے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے بلکہ جو کچھ نبیؐ نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضورؐ نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے اس لئے وہ بھی آئین خداوندی کا ایک حصہ ہے۔

یہی بات سورۃ حشر میں صراحت کے ساتھ ارشاد ہوئی ہے۔

﴿ ما آتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا واتقو اللّٰہ ان اللّٰہ شدید العقاب﴾(۱۹)

"جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جائو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے"

ان دونوں آیتوں میں سے کسی کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ ان میں قرآن کے امر و نہی اور قرآن کی تحلیل و تحریم کا ذکر ہے یہ تاویل نہیں بلکہ اللہ کے کلام میں ترمیم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہاں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو رسولؐ کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا۔

رسولؐ بحیثیت قاضی

قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں بکثرت مقامات پر اللہ تعالیٰ اس امر کی تصریح فرماتے ہیں کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قاضی مقرر کیا ہے۔

مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿ان انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك اللّٰہ﴾(۲۰)

"(اے نبی) ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلہ کرو" (سورۃ النساء : ۱۰۵)

﴿وقل امنت بما انزل اللّٰہ من کتب و امرت لا عدل بینکم﴾(۲۱)

"اور کہو میں ایمان لایا اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں" (سورۃ الشوریٰ : ۱۵)

﴿انما کان قول المومنین اذ ادعوا الی اللّٰہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولو سمعنا واطعنا﴾(۲۲)

"ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا" (سورۃ النور : ۵۱)

﴿فلاو ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما﴾(۲۳)

"پس (اے نبی) تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ اسے بسر و چشم قبول کر لیں" (سورۃ النسا : ۶۵)

یہ تمام آیات مبارکہ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ نبی ﷺ خود ساختہ یا مسلمانوں کے مقرر کیئے ہوئے جج نہیں بلکہ اللہ تعالی کے مقرر کردہ جج تھے۔ تیسری آیت یہ بتا رہی ہے کہ آپؐ کے جج ہونے کی حیثیت رسالت کی حیثیت سے الگ نہیں تھی بلکہ رسول ہی کی حیثیت میں آپ قاضی اور جج تھے اور ایک مومن کا ایمان بالرسالت اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپؐ کی اس حیثیت کے آگے بھی سمع و طاعت کا رویہ نہ اختیار کر لے۔ آخری آیت میں بالکل بے لاگ طریقے سے کہہ دیا گیا ہے کہ محمد عربی ﷺ کو جو شخص جج کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں ہے۔ حتی کہ اگر رسولؐ کے دیئے ہوئے فیصلے پر کوئی شخص اپنے دل میں بھی تنگی محسوس کرے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔

رسول بحیثیت حاکم و فرمانروا

قرآن مجید صراحت اور تکرار کے ساتھ اکثر مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبیؐ اللہ کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مقرر کئے ہوئے حاکم و فرمانروا تھے اور آپ کو یہ منصب بھی رسالت ہی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا۔

﴿وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ﴾(۲۴)

"ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن (Sanction) سے" (سورۃ النساء : ۶۴)

﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ﴾(۲۵)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی" (سورۃ النساء : ۸۰)

﴿ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ﴾(۲۶)

"(اے نبی) یقیناً جو لوگ آپؐ سے بیعت کرتے ہیں وہ در حقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں" (سورۃ الفتح : ۱۰)

﴿ یاایھا الذین آمنو اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول ولا تبطلوا اعمالکم﴾(۲۷)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو" (سورۂ محمد : ۳۳)

﴿وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللّٰہ رسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص اللّٰہ و رسوله فقد ضل ضلا لا مبینا﴾(۲۸)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور رسول کر دے تو پھر ان کے لئے اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کر لینے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا" (سورۃ الاحزاب : ۳۶)

﴿ یا ایها الذین امنو اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تومنون باللّٰہ والیوم الاخر﴾(۲۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز آخر پر" (سورۃ النساء : ۵۹)

مندرجہ بالا چھ آیات سے سنت کی آئینی حیثیت کھل کر سامنے آجاتی ہے یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسولؐ کوئی ایسا حاکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرمانروا ہے اس کی فرمانروائی اس کے منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونا ہے اس کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے اس کی اطاعت نہ کرنے کے معنی اللہ کی نافرمانی کے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہو اس کے مقابلے میں اہل ایمان کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس معاملہ کا فیصلہ رسول کر چکا ہو اس میں وہ خود کوئی فیصلہ کریں۔

ان تمام تصریحات سے بڑھ کر صاف اور قطعی تصریح آخری آیت کرتی ہے جس میں یکے بعد دیگرے تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے اللہ کی اطاعت۔۔۔۔اس کے بعد رسول کی اطاعت۔

پھر تیسرے درجے میں اولی الامر یعنی آپ کے "مرکز ملت" کی اطاعت۔

اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اولی الامر میں شامل نہیں ہے بلکہ ان سے الگ اور بالاتر ہے اور اس کا درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ اولی الامر سے نزاع ہو سکتی ہے مگر رسول سے نزاع نہیں ہو سکتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نزاعات میں فیصلے کے لئے مرجع دو ہیں ایک اللہ اور اس کے بعد اللہ کا رسولؐ۔ ظاہر ہے اگر مرجع صرف اللہ ہی ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسول کا الگ ذکر محض بے معنی ہوتا پھر جبکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے تو رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عہد رسالت میں خود ذات رسول کی طرف اور اس عہد کے بعد سنت رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

رسول بحیثیتِ شارح کتاب اللہ

سورۃ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس مانزل الیھم﴾(۳۰)

"اور یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے واضح کر دو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے" (سورۂ نحل: ۴۴)

اس آیتِ مبارک سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبیؐ کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ جو احکام وہدایات دے اس کی آپؐ تشریح و توضیح فرما دیں یہ تشریح و توضیح محض کتاب کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے نہیں ہو جاتی بلکہ شارح اس کے الفاظ سے زائد کچھ کہتا ہے تاکہ سننے والا کتاب کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلب پوری طرح سمجھ جائے اور اگر کتاب کی وئی بات کسی عملی مسئلے سے متعلق ہو تو شارح عملی مظاہرہ (Fractical Demonstration) کرکے بتاتا ہے کہ مصنف کا منشاء اس طرح عمل کرنا ہے چنانچہ رسول خدا نے کتاب اللہ کی نا صرف تشریح فرمائی بلکہ عملی مظاہرہ کرکے سنت کی آئینی حیثیت کو ہمیشہ کے لئے محفوظ فرمادیا۔

سنت کا منکر واجب القتل

﴿قاتلواالذین لایومنون باللّٰہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللّٰہ و رسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتو الکتب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون﴾(۳۲)

"لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر"(سورۂ توبہ :۲۹)

اللہ تعالیٰ نے نہایت کھلے طور پر بیان کیا ہے کہ قرآن کریم کی اطاعت اور سنت نبی کریمؐ کی اطاعت مساوی طور پر فرض ہے اور جو سزا قرآن سے سرتابی کرنے والے کی ہے اسی سزا کا مستحق سنت نبوی کا منکر ہے۔

حدیث مبارکہ سے سنت کی آئینی حیثیت کا تعین

قال رسول اللّٰہ ﷺ نضر اللّٰہ امر اسمع مقالتی فوعا ھا فاداھا کما سمعھا(۳۲)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اس شخص کے چہرے کو پر نور کرے جس نے میری بات سنی۔ پھر اسے خوب یاد کیا اور اس کے بعد جیسے سنا ویسے ہی اسے دوسرے تک پہنچادیا"

قال رسول اللّٰہ ﷺ انی قد خلفت فیکم شیئین لن تضلوا بعد ھما کتاب اللّٰہ و سنتی ولن یفتر قاحتی یر دا علی نحوض(۳۳)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں (اگر ان پر عمل پیرا رہے تو) ہر گز گمراہ نہیں ہوگے (وہ دو چیزیں) اللہ کی کتاب اور میری سنت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن حوض پر دونوں ایک ساتھ وارد ہوں"

ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاالفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامرمن امری مما امرت به اونهیت فیقول لا ادری ما وجد نا فی کتاب اللّٰہ(۳۴)

"میں ہر گز نہ پاؤں تم میں سے کسی شخص کو کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کو میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے، خواہ میں نے کسی چیز سے منع کیا ہو یا کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو اور وہ سن کر کہے کہ میں نہیں جانتا، جو کچھ ہم کتاب اللہ میں پائیں گے اس کی پیروی کریں گے"

مقدام بن معدیکرب کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

الا انی اوتیت القران و مثله معه الا یوشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم هذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فا حلوه وما و جدتم فیه من حرام فحر موه، وان ما حرم رسول اللّٰہ کما حرم اللّٰہ الا لا یحل لکم الحمار الاهلی، ولا کل ذی ناب من السباع......(۳۵)

"خبر دار رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی۔ خبر دار! ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا یہ کہنے لگے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو جو کچھ اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ دراصل جو کچھ اللہ کا رسول حرام قرار دے وہ ویسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام قرار دیا ہوا۔ خبر دار رہو تمہارے لئے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ ہی کوئی کچلیوں والا درندہ حلال ہے"

یہ آخری جملے واضح کر رہے ہیں کہ کچھ لوگوں نے گدھے، کتے اور دوسرے درندوں کو اس دلیل سے حلال ٹھہرانے کی کوشش کی ہو گی کہ قرآن میں ان کی حرمت کا کوئی حکم نہیں آیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے یہ تقریر فرمائی ہو گی۔

عرباض بن ساریہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریمؐ خطبہ دیتے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

ایحسب احدکم متکئا علی اریکته یظن ان اللّٰہ لم یحرم شیئا الاما فی القرآن۔ الاوانی واللّٰہ قد امرت و عظمت و نهیت عن اشیاء انها مثل القرآن اواکثر وان اللّٰہ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اهل الکتاب الا باذن ولا ضرب نساء هم ولا اکل ثمار هم اذا اعطو الذی علیهم(۳۶)

"کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں بیان کر دی گئی ہیں؟ خبر دار رہو! خدا کی قسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں بلکہ کچھ زیادہ۔ اللہ نے تمہارے لئے ہرگز یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں اجازت کے بغیر گھس جاؤ یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو یا ان کے پھل کھا جاؤ جبکہ وہ اپنے واجبات ادا کر چکے ہیں"

حدیث کا یہ آخری ٹکڑا صاف بتا رہا ہے کہ کچھ منافقین نے ذمیوں پر دست درازیاں کی ہوں گی اور قرآن کا سہارا لے کر کہا ہو گا کہ بتاؤ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہونے کے لئے بھی اجازت کی ضرورت ہے اور قرآن میں کہاں ان کی عورتوں پر ہاتھ ڈالنے اور ان کے باغوں کے پھل کھا لینے سے منع کیا گیا ہے اس پر حضورؐ نے یہ تقریر فرمائی ہو گی :

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :

فمن رغب عن سنتی فلیس منی (۳۷)

"جو شخص میری سنت سے منہ پھیرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں"

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قالو یارسول اللّٰہ ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقدا بی (۳۸)

"میرا ہر امتی جنت میں داخل ہو گا سوائے اس کے جس نے انکار کیا، صحابہؓ نے دریافت کیا۔ انکار کرنے والوں میں کون داخل نہیں فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ منکر ہوا"

گویا اسلام و کفر اور جنت میں داخلہ یا اس سے محرومی نبی کریمؐ کی اطاعت یا نافرمانی پر منحصر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :

انا رسول اللّٰہ ﷺ قال من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصی اللّٰہ (۳۹)

"جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی"

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ ہم صرف اس حدیث کو مانیں گے جس کی تائید میں کوئی آیت پیش کی جائے اس حدیث کی تائید میں ہم ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

﴿ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ﴾ (۴۰)

"اور جو رسول کی اطاعت کرے تو گویا اس نے اللہ کی اطاعت کر لی"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ومن یعص اللّٰہ و رسولہ فان لہ نار جھنم خالدین فیھا ابدا﴾ (۴۱)

"جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا"

امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں چند فرشتوں کا اس وقت آنا بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی کریمؐ حالت نوم میں تھے۔ ان فرشتوں نے نبی کریمؐ کو ایک مثال سے تشبیہہ دی کہ کوئی شخص گھر بناتا ہے اور اس میں عمدہ دستر خوان پر نعمت ہائے خداوندی کھانے کے لئے چن دیتا ہے اور پھر لوگوں کو دعوت دیتا ہے چنانچہ جو شخص دعوت قبول کرلیتا ہے وہ اس گھر میں داخل ہو جاتا ہے اور اس میں موجود نعمتیں کھاتا ہے اور جو دعوت کو قبول نہیں کرتا وہ داخلہ اور دستر خوان کی نعمتوں سے بھی محروم رہتا ہے۔ اس مثال کو بیان کرنے کے بعد ان ملائکہ نے بیان کیا کہ وہ گھر جنت ہے اور اس گھر کی طرف بلانے والے محمدؐ ہیں اس مثال کو بیان کرنے کے بعد وہ ملائکہ کہتے ہیں :

﴿فمن اطاع محمدا ﷺ فقد اطاع اللّٰہ ومن عصی محمدا فقد عصی اللّٰہ﴾ (۴۲)

"پس جس نے محمدؐ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی"

اس فرمان میں ایک عجیب لطیف نکتہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ کی بجائے لفظ محمدؐ استعمال کیا ہے خواہ وہ بحیثیت نبی ہوں یا بحیثیت ایک انسان، پیروی ضروری ہے۔

نبی کریمؐ نے انبیاء سابقین پر اپنی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

"ہر نبی کو جس قدر آیات دی گئی ہیں اسی قدر اس پر ایمان لایا گیا یا (اسی قدر) لوگ ایمان لائے اور مجھے تو وحی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے۔ اسی لئے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہوں گے" (۴۳)۔

وحی تو سابق پیغمبروں پر بھی نازل ہوتی رہی ہے وہ وحی کی صرف ایک قسم تھی یعنی وحی متلو تھی لیکن حضور نبی کریمؐ کو وحی کی دوسری قسم وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی ہے اور آپؐ ایسے رسول ہیں جن کے بارے میں قرآن یہ گواہی دیتا ہے :

﴿وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ﴾

حقیقت یہ ہے کہ نبی پاکؐ جو بھی گفتگو فرماتے ہیں جو بھی بات کرتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے اس قسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی گواہی اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین میں سے کسی کے لئے نہیں دی۔ کسی نبی اور رسول کی سو فیصد گفتگو کو وحی قرار نہیں دیا گیا لہذا اس امتیازی شان کی بناء پر نبی کریمؐ کو وحی متلو کے علاوہ وحی غیر متلو بھی عطا کی گئی اس لئے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میرے ماننے والے، میری پیروی کرنے والے قیامت کے دن انبیاء سابقین کے مقابلہ میں زیادہ ہوں گے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر، چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور حسن کے لئے آگے کے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرنے والی ہیں"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس بات کا علم قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت ام یعقوب کو ہوا تو وہ حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور آکر کہا "مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے"

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:

﴿وما لی لا العن من لعن رسول اللہ ﷺ ومن ھو فی کتاب اللہ﴾[۴۴]

"آخر میں کیوں نہ ان پر لعنت کروں جن پر رسول اللہؐ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ کے مطابق بھی ملعون ہیں" اس عورت نے کہا "میں نے سارا قرآن پڑھا ہے اس میں کہیں بھی (مذکورہ) عورتوں پر لعنت نہیں ہے جس طرح آپ کہتے ہیں" آپ نے فرمایا اگر تو قرآن کو (غور سے) پڑھتی تو اس میں ضرور یہ آیت پاتی"

﴿ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنہ فانتھوا﴾

وہ عورت کہنے لگی ہاں یہ آیت تو ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تو نبی ﷺ نے ہی (مذکورہ قابل لعنت چیزوں سے) منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری)[۴۵]

اس حدیث میں دیکھ لیجئے! حضرت ابن مسعودؓ نے رسول اللہ کے فرمان کو اللہ کا فرمان اور کتاب اللہ کا حکم قرار دیا اور جب اس دور کی پڑھی لکھی خاتون کو بھی یہ نکتہ سمجھایا گیا تو اس نے بھی اسے بلا تامل تسلیم کر لیا اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک نبی کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ قرآن ہی کی طرح وحی الٰہی کا درجہ رکھتے تھے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود نبی کریمؐ نے بھی اپنے فیصلوں کو جو قرآن میں منصوص نہیں ہیں کتاب الٰہی کا فیصلہ قرار دیا ہے جس طرح شادی شدہ زانی کی حد رجم ہے جو نبیؐ نے قرآن کے عموم میں تخصیص کر کے مقرر فرمائی۔ آپؐ نے اس حد رجم کو "کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ" قرار دیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بابرکت دور کو دیکھ لیجئے آپ کو نمایاں طور پر یہ چیز ملے گی کہ ان کے مابین مسائل میں اختلاف ہوتا تو سنت اور حدیث رسول کے معلوم ہوتے ہی وہ اختلاف ختم ہو جاتا اور سنت کے آگے سب سر تسلیم خم کر لیتے۔ نبی کی وفات کے بعد آپؐ کی تدفین اور آپؐ کی جانشینی کے مسئلے میں اختلاف ہوا جب تک ان کی بابت حدیث کا علم نہ ہوا اس پر گفتگو ہوتی رہی لیکن جوں ہی حدیث پیش کی گئی مسئلہ حل ہو گئے۔ تدفین کے مسئلے میں بھی اختلاف ختم ہو گیا اور جانشینی جیسا معرکہ آراء مسئلہ بھی پلک جھپکنے میں حل ہو گیا اس طرح متعدد قضایا اور واقعات ہیں جن میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ حدیث رسول کو بلا تامل حجیتِ شرعیہ سمجھا گیا اور اس کا علم ہوتے ہی بحث و تکرار کی بساط لپیٹ دی گئی۔ عہد صحابہ کے بعد تابعین و تبع تابعین اور ائمہ و محدثین کے ادوار میں بھی حدیث رسول کی یہ تشریعی حیثیت قابل تسلیم رہی بلکہ کسی دور میں بھی اہل سنت والجماعت کے اندر اس مسئلے میں اختلاف نہیں رہا۔

خلفائے راشدین کے نزدیک سنت کا مقام

جب تک آفتاب نبوت خود عالم افروز رہا اس وقت صداقت کے ساتھ آمیزش کذب کا امکان تک نہ تھا۔ لیکن حضورؐ کے انتقال کے بعد مسلم معاشرہ تین عناصر پر مشتمل تھا۔ ایک تو وہ خوش نصیب تھے جو ایک مدت تک فیض صحبت سے بہرہ اندوز رہے جن کی آنکھیں مشاہدہ جمال سے روشن تھیں اور دل جذبات عشق سے معمور۔ جس طرح پانی کا قطرہ آغوش صدف میں رہ کر دریتیم بن جاتا ہے اسی طرح رسالت مآب کے آغوش تربیت میں رہنے سے اندر کے اندر ایسا انقلاب پیدا ہو گیا تھا کہ وہ دنیا میں عدل وانصاف اور حق وصداقت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

دوسرا عنصر نو مسلموں کا تھا جو زیادہ طور پر عرب کے بادیہ نشین اعراب اور ہمسایہ ممالک کے باشندے تھے انہیں فیض صحبت سے زیادہ فیضاب ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لئے وہ اسلام کے اصول و قواعد کی روح سے پورے طور پر مانوس نہ ہوئے تھے۔

اور تیسرا عنصر مارہائے آستین منافقین کا تھا جو مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔

دورِ خلافت راشدہؓ

سنت واحادیث کے متعلق خلافت راشدہؓ میں سخت اہتمام تھا تاکہ کوئی منافق اپنی فطری بدباطنی یا کوئی نو مسلم اپنی کم علمی اور ناواقفی کے باعث غلط بات حضورؐ کی طرف منسوب نہ کردے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات صحابۂ کبار سے بھی سختی سے احادیث وسنت کے بارے میں بازپرس کی جاتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اتباعِ سنت

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے خطبۂ عام میں نبی کریمؐ کی اطاعت کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے یہاں تک تصریح فرمادی:

اطیعونی ما اطعت اللّٰہ و رسولہ فاذا عصیت اللّٰہ و رسولہ فلا طاعۃ لی علیکم(۴۶)

"جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرتے رہو اور جب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرنے لگوں تو اس وقت تم میری اطاعت کے پابند نہیں ہو"

اس سے بین اور روشن دلیل اور کیا ہوگی؟ حضرت صدیقؓ جن کی خاک راہ سے دامن اقبال پھولوں سے بھر جاتا ہے اور خواب میں جن کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد حکیم الامتؒ بایں الفاظ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

گفتمش اے خاصۂ خاصان عشق
عشق تو سر مطلع و ایوان عشق
پختہ از دستت اساس کار ما
چارۂ فرما پئے آزار ما

تاریخ وحدیث کی روایات میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافت پر متمکن ہوئے تو منکرین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھا۔ مدینہ میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور استدلال یہ پیش کیا کہ قرآن نے زکوٰۃ کے نتیجہ میں نبی کریمؐ کو زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لئے دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿خذ من اموالهم صدقة تطهر هم و تزكيهم بها وصل عليهم ان صلوٰتك سكن لهم﴾ (۴۷)

"آپؐ ان سے ان کے مالوں میں سے صدقہ لیں جن سے آپؐ ان کو پاک صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلا شبہ آپؐ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہو گی"

اسی آیت سے وہ استدلال کرتے تھے کہ اب جبکہ نبی کریمؐ رحلت فرما چکے ہیں اب کسی کی دعا موجب اطمینان نہیں ہو سکتی اور جس کی دعا موجب اطمینان نہ ہو اور جو تزکیہ نہ کر سکے اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایسے لوگوں سے قتال کا اعلان کیا اور جب فاروق اعظمؓ نے یہ بات فرمائی کہ آپ ایسے لوگوں سے کیسے قتال کریں گے جو کلمہ گو ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا:

واللّٰہ لو منعونی عقالا کانو یودونه الی رسول اللّٰہ ﷺ لقاتلتهم علیٰ منعه (۴۸)

"اگر کسی نے اس رسی کے دینے سے انکار کیا جو وہ نبی کریمؐ کے زمانہ میں دیا کرتا تھا تو خدا کی قسم میں اس سے ضروری قتال کروں گا"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایسے موقع پر اتنی ظاہری شدت کیوں اختیار کی، کیا رسی کے بغیر جانور کی زکوٰۃ ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی یا رسی کے بغیر زکوٰۃ ادا کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے کہ اس سے قتال مومن کے لئے جائز ہو جائے اگر فقہی اعتبار سے دیکھا جائے تو دونوں سوالوں کا جواب نفی میں آئے گا۔

لیکن۔۔۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نظر اس سے کہیں زیادہ عمیق تھی ان کے نزدیک ہر وہ کام جو نبی کریمؐ کے زمانہ میں انجام دیا جاتا تھا اور نبی کریمؐ نے اسے منع نہیں فرمایا تھا قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور قانون و آئین پر عمل سے انکار کرنے والے باغی ہوتے ہیں اور باغیوں کی سزا قتل ہی ہوا کرتی ہے خواہ وہ قانون جس کو توڑ رہا ہے اور جس پر عمل سے انکار کیا جا رہا ہے کس قدر معمولی کیوں نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نزدیک نبی کریمؐ کے تمام اعمال سنت کی آئینی حیثیت رکھتے تھے۔

تمام صحابہ کرام بشمول حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ قرآن کے بعد سنت کی آئینی حیثیت کو مانتے تھے اور اس بات کی دلیل بارہا نبی کریمؐ خود بھی فرما چکے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے اس وقت آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ کہا قرآن سے، پوچھا اگر قرآن میں نہ ہو؟ کہا سنت رسولؐ سے، فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ہو تو؟ کہا کہ پھر اجتہاد کروں گا نبی کریمؐ خوش ہو گئے۔ اور فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحمدللّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لما یرضی رسول اللّٰہ(۴۹)

”خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی کہ جس سے اللہ کا رسول خوش ہو“

خلافت صدیقیؓ کے زمانہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے ایک دادی نے اپنے پوتے کے ترکہ سے اپنا حق وراثت طلب کے لئے مقدمہ درج کیا آپ نے قرآن کریم سے تلاش کیا اس کا حصہ نہ ملا۔ آپ کو اس بارے میں کوئی فرمان نبوت بھی یاد نہیں تھا۔ اس لئے اپنے اجتہاد کے مطابق دادی کو وراثت سے محروم کرنے لگے اتنے میں مغیرہ بن شعبہؓ آن پہنچے اور ایک حدیث سنائی جس میں حضورؐ نے دادی کو ورثہ چھٹا حصہ دیا تھا اور محمد بن مسلمہؓ نے گواہی دی کہ ہاں میں نے بھی حضورؐ سے ایسا ہی سنا ہے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے اجتہاد کو روک دیا اور اسی خبر واحد پر عمل کرتے ہوئے اسے وراثت سے حصہ دلا دیا۔(۵۰)

موطا میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کو اپنی زندگی میں کچھ مال دینے کے لئے کہا تھا مگر انہیں یہ یاد نہ تھا کہ یہ مال ان کے حوالے کر دیا گیا تھا یا نہیں۔ وفات کے وقت آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر وہ مال تم لے چکی ہو تب تو وہ تمہارے پاس رہے گا (کیونکہ وہ ہبہ ہو گیا) لیکن اگر ابھی تک تم نے اسے قبضہ میں نہیں لیا تو اب وہ میرے سب وارثوں میں تقسیم ہو گا (کیونکہ اس کی حیثیت ہبہ کی نہیں بلکہ وصیت کی ہے) اور حدیث مبارکہ :

لا وصیة لوارث کی رو سے وارث کے حق میں کوئی وصیت میت کے ترکے میں نافذ نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی طرح کی بے شمار مثالیں خلیفہ اول کی زندگی میں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے بال برابر بھی ہٹنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

کس کو نہیں معلوم کہ انہوں نے حضورؐ کی وفات کے بعد لشکر اسامہ کو صرف اس لئے بھیجنے پر اصرار کیا کہ جس کام کا فیصلہ حضورؐ اپنی زندگی میں کر چکے تھے اسے بدل دینے کا وہ اپنے آپ کو مجاز نہ سمجھتے تھے صحابہ کرامؓ نے جب ان خطرات کی طرف توجہ دلائی جن کا طوفان عرب میں اٹھتا نظر آ رہا تھا اور اس حالت میں شام کی طرف فوج بھیج دینے کو نامناسب قرار دیا، تو حضرت ابو بکرؓ کا جواب تھا۔

”اگر کتے اور بھیڑیئے بھی مجھے اُچک لے جائیں تو میں اس فیصلے کو نہ بدلوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کر دیا تھا“

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ نے خواہش ظاہر کی کہ کم از کم اسامہ ہی کو اس لشکر سے ہٹادیں کیونکہ بڑے بڑے صحابہ اس نوجوان لڑکے کی ماتحتی میں رہنے سے خوش نہیں ہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا:

ثکلتك امك وعدمتك یا ابن الخطاب، استعمله رسول للّٰه و تامرنی ان انزعه

"خطاب کے بیٹے، تیری ماں تجھے روئے اور تجھے کھودے، رسول اللہ ﷺ اس کو مقرر کیا ہے اور تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں اسے ہٹادوں"

اس موقع پر لشکر کو روانہ کرتے ہوئے انہوں نے جو تقریر کی اس میں فرمایا:

انما انا متبع لست بمبتدع

"میں تو محض پیروی کرنے والا ہوں نیا راستہ نکالنے والا نہیں ہوں"

اور پھر یہ واقعہ کس سے پوشیدہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت عباسؓ کے مطالبہ میراث کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حدیث رسول ہی کی بنیاد پر قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور اس "قصور" پر وہ آج تک گالیاں کھا رہے ہیں۔

سنت رسول کے بارے میں یہ قول اور عمل تھا اس شخصیت کا جنہوں نے حضورؐ کے بعد سب سے پہلے زمامِ کار سنبھالی تھی۔

حضرت عمر فاروقؓ اور اتباعِ سنت

سنت رسول کے بارے میں حضرت عمرؓ کا جو مسلک تھا اسے وہ قاضی شریح کے نام اپنے خط میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اگر تم کوئی حکم کتاب اللہ میں پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کردو اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کرو اور اگر کوئی ایسا معاملہ آئے جس کا حکم کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت میں جو حکم ملے اس پر فیصلہ کرو اور اگر معاملہ ایسا ہو جس کا حکم نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول اللہؐ میں تو اس کا فیصلہ اس قانون کے مطابق کرو جس پر اجماع ہو چکا ہو لیکن اگر کسی معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ دونوں خاموش ہوں اور تم سے پہلے اس کے متعلق کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہوا ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ یا تو پیش قدمی کر کے اپنی اجتہادی رائے سے فیصلہ کردو یا پھر ٹھہر کر انتظار کرو (تاکہ کوئی اجماعی فیصلہ ہو جائے) اور میرے نزدیک تمہارا انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے" (۵۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ حضرت عمرؓ کا اپنا لکھا ہوا سرکاری ہدایت نامہ ہے جو انہوں نے خلیفۂ وقت کی حیثیت سے ضابطۂ عدالت کے متعلق کوفہ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کو بھیجا تھا۔

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فاروق اعظمؓ کو باہر سے تین دفعہ سلام کیا لیکن جواب نہ ملا اور آپ واپس لوٹ آئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بلوا بھیجا اور لوٹ جانے کی وجہ پوچھی ابو موسیٰ اشعری نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والثناء کا ارشاد ہے: کہ جو شخص تین دفعہ سلام کہے اور اسے صاحب خانہ اندر آنے کی اجازت نہ دیں تو وہ خواہ مخواہ اندر جانے پر مصر نہ ہو بلکہ واپس لوٹ جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یا تو اس حدیث و سنت کی صحت پر گواہ پیش کرو ورنہ میں تمہاری خبر لوں گا۔ وہ صحابہ کے پاس واپس گئے تو ان کے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ صحابہ نے وجہ پوچھی تو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ صحابہ نے کہا کہ ہم نے بھی حضورؐ سے یہ حدیث سنی ہے چنانچہ ایک شخص ان کے ساتھ گیا اور حضرت عمرؓ کے سامنے ابو موسیٰ اشعریؓ کی تصدیق کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے ابو موسیٰ میرا ارادہ تمہیں متہم کرنے کا نہ تھا لیکن میں نے اس خوف سے اتنی سختی کی تاکہ لوگ بے سروپا باتیں حضورؐ کی طرف منسوب نہ کرنے لگیں۔

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو ایک خط بھیجا جس میں تحریر فرمایا:

"میں تمہاری طرف عمار بن یاسرؓ کو امیر بنا کر اور ابن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں اور یہ دونوں حضور کریمؐ کے بزرگ ترین صحابہ میں سے ہیں اور بدری ہیں، ان کی پیروی کرو اور ان کا حکم مانو عبد اللہ بن مسعودؓ کو تمہاری طرف بھیج کر میں نے تمہیں اپنے نفس پر بھی ترجیح دی ہے" (۵۲)

حضرت عمر فاروقؓ نے جب بصرہ کی امارت پر حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو مقرر کیا اور وہاں پہنچے تو انہوں نے اپنے آنے کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان کی:

بعثنی الیکم عمر لاعلمکم کتاب ربکم و سنة بینکم (۵۳)

"مجھے عمرؓ نے تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں تمہارے رب اور تمہاری نبیؐ کی سنت کی تعلیم دوں"

حضرت فاروق اعظمؓ اپنے عہد خلافت میں جب حج کرنے کے لئے گئے تو مملکت اسلامیہ کے تمام والیوں کو حکم بھیجا کہ وہ بھی حج کے موقعہ پر حاضر ہوں جب سب جمع ہو گئے تو اس وقت حضرت عمرؓ نے ایک تقریر فرمائی۔

"آپؓ نے کہا: اے لوگو! میں نے تمہاری طرف جو حکام بھیجے وہ اس لئے نہیں بھیجے تاکہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمہیں زدوکوب کریں اور تم ... اموال تم ... چھینیں میں نے انہیں صرف اس لئے تمہاری طرف بھیجا ہے تا ... وہ تمہ...ں تمہارا دین اور ... مارے نبی کریمؐ کی سنت سکھائیں۔ حکام میں سے اگر کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہو تو پیش کرو، اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں عمر کی جان ہے میں اس حاکم سے قصاص لئے بغیر نہیں رہوں گا"(۵۴)

ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب اللہ تعالیٰ نے خوشحالی عطا فرمائی ہے اس لئے آپؓ کو نرم کپڑا اور نفیس غذا سے پرہیز نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"جان پدر! تم رسول کریمؐ کی تنگ حالی کو بھول گئیں۔ خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو اس کے بعد دیر تک رسول کریمؐ کی سنت مطاہرہ کا تذکرہ کرتے رہے حضرت حفصہؓ بیتاب ہو کر رونے لگیں"(۵۵)

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے اسی لئے آنحضرتؐ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ پتھر کو بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکہ ہو کہ اس میں بھی شان الٰہی ہے آپ نے حجر اسود کو بوسہ تو دیا مگر اس کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا:

انی اعلم انك حجر وانك لا تضر ولا تنفع ولولا انی رائیت رسول اللہ یقبلك(۵۶)

"جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع اگر میں رسول اللہؐ کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز ہرگز بوسہ نہ دیتا"

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہؐ کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں یہ کوشش صرف اپنی ذات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباع سنت کے جذبہ سے معمور ہو جائے۔

ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا آپ نے عین خطبہ کی حالت میں اس کی طرف دیکھا اور فرمایا آنے کا یہ کیا وقت؟ عرض کی بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی وضو کر کے فوراً حاضر ہوا اس پر آپ نے فرمایا:

"وضو پر کیوں اکتفا کیا رسول کریمؐ جمعہ کو غسل کا حکم فرمایا کرتے تھے"(۵۷)

حضرت عمر نے اپنے محبوب و کریم رسولؐ کی سنت کی نشرواشاعت اور تمام قلمرو اسلامی میں اس پر سختی سے عمل کروانے کی جو مساعی کیں یہ اس کا نہایت ہی مختصر سا خاکہ ہے لیکن اس سے کم از کم یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت تو ہویدا ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ رسول اکرمؐ کی اطاعت امت پر قیامت تک فرض ہے اور اسی میں ان کی ترقی، عزت اور ہیبت کا راز پنہاں ہے۔ اس لئے تو آپ نے ملک کے گوشہ گوشہ میں جلیل القدر صحابہ کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو ان کے رسولؐ کی سنت کی تعلیم دیں اور حکام کو بار بار اتباع سنت کے لئے مکتوبات روانہ کئے۔

حضرت عثمان غنیؓ اور اتباعِ سنت

آپؓ کو آنحضرتؐ کا ادب واحترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔(۵۸)

عہد خلافت میں جب اصحاب وظائف کے روزینے مقرر کئے تو ازدواج مطہرات کا روزینہ دوگنا مقرر کیا۔(۵۹)

آپؓ حضور اکرمؐ کے ہر قول وفعل جہاں تک کہ حرکات وسکنات میں بھی حضورؐ کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے ایک دفعہ وضو کر کے متبسم ہوئے لوگوں نے اس موقعہ پر تبسم کی وجہ پوچھی فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ آپؐ کو وضو کر کے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا"

ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا "حضور اکرم ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے"

بیعت کے بعد اولین خطبہ جو انہوں نے دیا اس میں وہ علی الاعلان تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "خبردار رہو! میں پیروی کرنے والا ہوں۔ نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں میرے اوپر کتاب اللہ اور سنت نبی ﷺ کی پابندی کے بعد تمہارے تین حق ہیں جن کی میں ذمہ داری لیتا ہوں ایک یہ کہ میرے پیشرو خلفاء کے زمانے میں تمہارے اتفاق واجتماع سے جو فیصلے اور طریقے طے ہو چکے ہیں ان کی پیروی کروں گا۔ دوسرے یہ کہ جو امور اب اہل خیر کے اجتماع واتفاق سے طے ہوں گے ان پر عمل درآمد کروں گا۔ تیسرے یہ کہ تمہارے اوپر دست درازی کرنے سے باز رہوں گا جب تک کہ تم ازروئے قانون مواخذہ کا مستوجب نہ ہو جاؤ"(۶۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت علیؓ اور اتباعِ سنت

چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں انہوں نے خلیفہ ہونے کے بعد اہل مصر سے بیعت لینے کے لئے اپنے گورنر حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ جو سرکاری فرمان بھیجا تھا اس میں فرماتے ہیں :

"خبردار رہو! ہمارے اوپر تمہارا یہ حق ہے کہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کے مطابق عمل کریں اور تم پر وہ حق قائم کریں جو کتاب و سنت کی رو سے حق ہو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو جاری کریں اور تمہاری بے خبری کی حالت میں بھی تمہارے ساتھ خیر خواہی کرتے رہیں"(۶۱)

حضرت علیؓ کی ایک روایت ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کی ہے جس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں :

بعثنی النبی ﷺ الی الیمن قاضیا فقلت یارسول اللّٰہ ترسلنی وانا حدیث السن لاعلم لی بالقضاء فقال ان اللّٰہ عزوجل سیھدی و یثبت لسانك فاذا جلس بین یدیك الخصمان فلا تقضی حتی تسمع من الاخر کما سمعت من الاول فانه احریٰ ان یتبین لك القضا قال علی: فمازلت قاضیا وما شککت فی قضاءً بعده(۶۲)

"حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ابھی نوجوان ہوں اور قضاء کے شعبہ میں زیادہ پختہ علم نہیں رکھتا۔ آپ مجھے کیسے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں؟ نبی کریمؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت اور تمہاری زبان کو استقامت دے گا جب تیرے سامنے دو فریق آکر بیٹھیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک تو دوسرے فریق کا موقف بھی اس توجہ و انہماک سے نہ سن لے جیسا کہ تو نے پہلے فریق کا سنا۔ یہ چیز تجھے واضح فیصلہ کرنے میں مدد دے گی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد جب تک میں قاضی رہا مجھے اپنے فیصلہ میں تذبذب کا سامنا نہ ہوا"

ائمہ اربعہ کے نزدیک سنت کا مقام

فقہ اسلامی کے تدریجی ارتقاء پر بغور نظر ڈالی جائے تو مندرجہ ذیل چار مکاتب فکر سامنے آتے ہیں جنہیں مذاہب اربعہ کی حیثیت حاصل ہے :

۱۔ حنفی ۲۔ مالکی ۳۔ شافعی ۴۔ حنبلی

ان چار مکتبہ فکر کے نزدیک حضور اکرمؐ کی سنت کو آئینی حیثیت حاصل ہے کہ انہوں نے ہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہی معاملہ میں سنت رسولؐ سے راہنمائی حاصل کی ہے۔

دبستانِ حنفی

اس مکتبہ فکر کے بانی امام اعظم، امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ آپ کا نام اصل نام نعمان بن ثابت کنیت امام ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ آپ ۸۰ ہجری کو عراق کے مشہور شہر کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں ۷۰ سال کی عمر وفات پائی آپ کے والد ماجد ثابت بن زوطی فارسی تھے۔

امام اعظمؒ نے خود اپنے مسلک کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"مجھے جب کوئی حکم خدا کی کتاب میں مل جاتا ہے تو میں اسی کو تھام لیتا ہوں اور جب اس میں نہیں ملتا تو رسول اللہ کی سنت اور آپؐ کے ان صحیح آثار کو لیتا ہوں جو ثقہ لوگوں کے ہاں ثقہ لوگوں کے واسطے سے معروف ہیں پھر جب نہ کتاب اللہ میں حکم ملتا ہے نہ سنت رسول اللہ میں تو میں اصحاب رسول کے قول یعنی اس کے اجماع کی پیروی کرتا ہوں اور ان کے اختلاف کی صورت میں جس صحابی کا قول چاہتا ہوں قبول کر لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں مگر ان سب کے اقوال سے باہر جا کر کسی کا قول نہیں لیتا۔ رہے دوسرے لوگ تو جس طرح اجتہاد کا حق انہیں ہے مجھے بھی ہے"(۶۳)

امام اعظمؒ کے سامنے ایک مرتبہ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ قیاس کو نص پر ترجیح دیتے ہیں اس پر انہوں نے فرمایا:

"خدا اس شخص نے جھوٹ کہا اور ہم پر افترا کیا جس نے کہا کہ ہم قیاس کو نص پر ترجیح دیتے ہیں۔ بھلا نص کے بعد بھی قیاس کی کوئی حاجت رہتی ہے"(۶۴)

خلیفہ منصور نے ایک مرتبہ امام صاحب کو لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے ہیں جواب میں انہوں نے فرمایا:

"امیر المومنین جو بات آپ کو پہنچی ہے وہ صحیح نہیں ہے میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں پر، پھر حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر پھر باقی صحابہ کے فیصلوں پر البتہ جب صحابہ میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں"(۶۵)

علامہ ابن حزمؒ نے تو جہاں تک لکھا ہے کہ:

"تمام اصحاب حضرت ابو حنیفہؒ کی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ضعیف حدیث بھی مل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے تو اس کے مقابلہ میں قیاس اور رائے کو چھوڑ دیا جائے"(۶۶)

آپ کے متعلق غلط روایات اور مفروضات ملتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے متعلق ابن خلدون نے نہ معلوم کس سند پر یہ بات لکھ دی تھی کہ :

"حدیث قبول کرنے میں ابو حنیفہ اس قدر متشدد تھے کہ ان کے نزدیک صرف سترہ سے زیادہ حدیثیں صحیح نہ تھیں"

یہ بات چلتے چلتے لوگوں میں اس طرح مشہور ہوئی کہ امام ابو حنیفہؒ کو صرف سترہ حدیثوں کا علم تھا یا یہ کہ انہوں نے صرف ۱۷ احدیثوں سے مسائل اخذ کئے ہیں حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ افسانہ ہے۔ امام صاحب کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسفؒ کی مرتب کردہ کتاب "الاثار" شائع شدہ موجود ہے جس میں انہوں نے اپنے استاد کی روایت کردہ ایک ہزار احادیث جمع کی ہیں اس کے علاوہ امام کے دوسرے دو نامور شاگردوں امام محمد اور امام حسن بن زیاد اللؤلوی نے امام کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ نے بھی ان کی روایت کردہ احادیث کے مجموعے مرتب کئے ہیں پھر مسلسل کئی صدیوں تک بکثرت علماء ان کی مرویات کو "مسند ابی حنیفہ" کے نام سے جمع کرتے رہے۔ (علم حدیث کی اصطلاح میں مسند سے مراد وہ کتاب ہے جس میں ایک شخص کی روایت کردہ احادیث یکجا جمع کر دی گئی ہوں) ان میں سے ۱۵ مسانید کا ایک جامع نسخہ قاضی القضاۃ محمد بن محمود الخوارزمی نے "جامع مسانید الامام اعظم" کے نام سے مرتب کیا جسے دائرۃ المعارف حیدر آباد نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ یہ کتابیں اس دعویٰ کی تردید قاطع ہیں کہ امام ابو حنیفہ صرف ۱۷ احدیثیں جانتے تھے یا انہوں نے صرف ۱۷ احدیثوں سے استدلال کر کے فقہی مسائل نکالے ہیں علم حدیث وسنت میں امام کے اساتذہ کی تعداد (جن سے انہوں نے روایات لی ہیں) چار ہزار تک پہنچتی ہیں ان کا شمار اکابر حفاظ حدیث میں کیا گیا ہے ان کی مسانید جمع کرنے والوں میں دار قطنی، ابن شاہین اور ابن عقدہ جیسے نامور علماء حدیث شامل ہیں۔ کوئی شخص فقہ حنفی کی معتبر کتب میں سے اگر صرف امام طحاوی کی "شرح معانی الاثار" ابو بکر حصاص کی 'احکام القرآن' اور امام سرخسی کی 'المبسوط' ہی کو دیکھ لے تو اسے یہ غلط فہمی کبھی نہ لاحق ہو کہ امام ابو حنیفہؒ نے حدیث سے بے نیاز ہو کر صرف قیاس اور قرآن پر اپنی فقہ کی بنیاد رکھی تھی۔

مذہبِ مالکی

حضرت امام مالکؒ ۹۵ ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے آپؒ کے والد کا نام حضرت انس بن مالک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور سلسلہ نسب یمنی قبیلہ ذی الصبح تک پہنچتا ہے۔ آپؒ نے ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ ہجری میں وفات پائی۔

سنت کی آئینی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ایک دفعہ روضہ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ :

"ہر شخص کی صحیح بات تسلیم کی جاسکتی ہے اور غلط بات ٹھکرائی جاسکتی ہے لیکن اس گنبد خضراء والے کی ہر بات واجب التسلیم ہے"

امام مالکؒ کو جب ان کے شیوخ نے روایت حدیث اور افتاء کی اجازت دے دی تب مسند روایت وافتاء پر بیٹھے۔ مسجد نبوی میں درس و تدریس اور افتاء کا سلسلہ قائم کیا لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ان کے پاس آتے اور ان سے حدیث اور فقہ پڑھ کر جاتے تقریباً پچاس سال تک یہ سلسلہ جاری و ساری رہا۔

اپنے فتاویٰ کی بنیاد قرآن مجید رسول کریمؐ کی ان حدیثوں پر جو ان کے نزدیک ثقہ تھیں رکھتے اس کے بعد قیاس مصالح مرسلہ (استصلاح) پر عمل کرتے۔ حدیث و سنت کی روشنی میں فتویٰ دیتے وقت بہت ہی احتیاط و عزم سے کام لیتے۔ ذرا بھی شک پڑ جاتا تو فرمادیتے، "لا ادری" میں نہیں جانتا۔

مذہبِ شافعی

یہ فقہی مسلک امام محمد بن ادریس الشافعی القریشی ۱۵۰ ہجری صوبہ عسقلان میں بمقام غزہ پیدا ہوئے اور ۲۰۴ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔

امام شافعیؒ نے اطاعت سنت اور اصول فقہ کے قواعد کی ترتیب و تمحیص کے سلسلے میں بہت جدوجہد کی یہی وجہ ہے کہ علم الاصول کو امام شافعیؒ کا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے اس لحاظ سے شافعی فقہ کو حنفی اور مالکی فقہ پر فوقیت حاصل ہے۔ امام شافعیؒ کو اپنے پیشرو ہر دو مذاہب فقہ کا گہرا مطالعہ کرنے کے علاوہ تقریباً سارے ذخیرہ حدیث و سنت سے استفادہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے۔ کیونکہ ان کے زمانہ تک علم حدیث و روایت عام ہو چکا تھا اور بعض کتب حدیث بھی منظر عام پر آچکی تھیں امام نے اپنی فقہ کا مدار زیادہ تر روایات حدیث پر رکھا۔ انہیں حنفی و مالکی ائمہ سے خود استفادہ کا موقعہ ملا ہے وہ ایک طرف امام مالکؒ کے شاگرد ہیں تو دوسری طرف امام محمد بن الحسن کے بھی مایۂ ناز شاگرد ہیں۔ اہل الحدیث کا لقب بالعموم شافی و حنبلی مسالک والوں پر بولا جاتا ہے کیونکہ وہ قیاس واجتہاد میں روایات حدیث سے بہت کم باہر نکلتے ہیں ان کے ہاں مصالح مرسلہ یا قیاس حنفی کے نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شافعی حضرات نے علم حدیث اور شرح حدیث کی نہایت قابل قدر اور عظیم خدمات سرانجام دی ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث تو خود مجتہد تھے یا شافعی المسلک تھے جو خود مجتہد تھے وہ بھی اکثر مسائل فقہ میں شافعی مسلک کے پیرو تھے۔

حضرت امام شافعی نے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس چاروں مصادر سے فقہی مسائل کو حل کیا اور وہ اِستدلال پر عمل کرتے تھے۔

"حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم دین کے متعلق قلم اٹھاتا ہے اس کی گردن امام شافعیؒ کے احسان کے نیچے ہیں"

امام شاطبیؒ سے پہلے امام شافعیؒ نے سنت کی آئینی حیثیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"مجھے اہل علم میں اس رائے سے اختلاف کرنے والا کوئی معلوم نہیں کہ سنت نبویؐ تین طرح کی ہیں۔ پہلی دو کے بارے میں اہل علم کا اتفاق ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تشریح ہے۔ یعنی ایک یہ کہ کوئی حکم قرآن مجید میں موجود ہو اور حضورؐ بھی وہی حکم سنت میں بیان فرمادیں۔ دوسری یہ کہ قرآن مجید کا حکم اجمالی ہو اور نبی کریمؐ خدا کے حکم کے مطابق اس کی تفصیل بیان کردیں۔ تیسری قسم کی سنت وہ ہے جسکے بارے میں قرآن مجید کی آیت نہ ہو مگر حضورؐ کے احکام موجود ہوں۔ قرآن مجید میں حکمت کا جو ذکر آیا ہے اس سے یہی سنت مراد ہے"(۶۷)

امام شافعیؒ نے ایک طالب حق کا ذکر کیا ہے جس نے انہیں بتایا کہ مجھے ایک منکر سنت ملا اور (غلطی) سے میں بھی اس کا ہم خیال ہوگیا، مگر مجھ پر یہ غلطی جلد واضح ہوگئی کیونکہ اس طرح تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نے نماز تھوڑی بھی پڑھی اور زکوٰۃ تھوڑی سی ادا کی تو وہ عہدہ برآ ہو گیا اگرچہ ایک دن میں بلکہ کئی ایام میں صرف دو ہی رکعتیں پڑھی ہوں کیونکہ اس منکر سنت کے خیال میں جو بات قرآن مجید میں نہیں وہ کسی پر فرض نہیں اور نمازوں کی رکعات اور مقدار زکوٰۃ قرآن مجید میں نہیں۔(۶۸)

سفیان بن عینیہ کی مجلس میں امام شافعیؒ کو نہایت اعزاز کے ساتھ جگہ ملتی تھی اور یہ جلیل القدر محدث باوجود اپنے کمال علمی کے اکثر حدیث و سنت اور تفسیر کے مطالب میں ان سے استفادہ حاصل کرتا تھا۔ ایک روز اس نے ایک حدیث بیان کی جس میں دنیا کی بے ثباتی اور جناب باری کی عظمت و جلال اور اس کی بے نیازی اور امور آخرت وغیرہ کا ذکر تھا امام شافعیؒ کے دل پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا کہ غشی سے مردہ کی مانند زمین پر گر پڑے۔ یہ حالت دیکھ کر کسی نے سفیان بن عینیہ سے کہا کہ امام شافعیؒ کا انتقال ہوگیا۔ سفیان بن عینیہ فرمانے لگے کہ اگر امام کا انتقال ہوا ہے تو بے شک زمانے بھر کا افضل شخص جاتا رہا۔(۶۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہبِ حنبلی

امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل، حنبلی مذہب کے بانی ہیں۔ ۱۶۴ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے قرآن حفظ کیا پھر لغت، کتابت اور پھر علم حدیث و سنت کی طرف توجہ دی۔ پہلے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رہے پھر امام ابو یوسف کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ۲۴۱ ہجری میں وفات پائی۔

بہت سے علماء امام احمد کو صرف محدث مانتے ہیں فقیہ نہیں لیکن ایسا سمجھنا زیادتی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ حنبلی مسلک میں احادیث و اقوال میں ہی ترجیح و اختیار پر زور دیا جاتا ہے اور اجتہاد و قیاس کی نوبت بہت کم آتی ہے اس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ امام احمد فقیہ نہ تھے۔

آپ کے طریق استنباط کو حافظ شمس الدین القیم یوں بیان فرماتے ہیں:

"امام احمد بن حنبلؒ کے فتاویٰ پانچ اصولوں پر مبنی تھے سب سے پہلے کتاب و سنت، اس کے بعد فتاویٰ صحابہ، ان میں اختلاف کی صورت میں ان میں سے اس قول کو اختیار کرتے جسے وہ اقرب الی السنت پاتے اور اقوال صحابہ سے باہر نہ نکلتے۔ علاوہ ازیں مرسل و ضعیف حدیث کو بھی مدار فتویٰ بناتے جب کہ کوئی صحیح حدیث اس کے خلاف نہ ہو اور ان کی موجودگی میں قیاس سے پرہیز کرتے ضعیف سے ان کی مراد حدیث حسن ہے اخذ احکام کا آخری منبع ان کے نزدیک قیاس ہے جس کی نوبت ان کے مسلک میں بہت کم آتی ہے"

ابو داؤد سجستانی فرماتے ہیں کہ "میں نے دو سو مشائخ حدیث کو دیکھا ہے ان سب میں امام احمد بن حنبل کی مانند کسی کو نہیں پایا"

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

"بغداد میں احمد بن حنبل سے بڑھ کر تقویٰ اور فقہ میں اور کوئی نہیں"

امام صاحب کی فکر پر حدیث کا رنگ غالب تھا اس وجہ سے بعض علماء نے آپ کو زمرہ محدثین میں شامل کیا ہے۔ آپ کی مشہور المسند ہے اس میں چالیس ہزار سے زائد احادیث ہیں جسے آپ نے ۱۶ سال کی محنت شاقہ کے بعد تیار کیا۔

دارمی کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے امام احمدؒ سے بڑھ کر حافظ حدیث اور کوئی نہیں دیکھا۔ آپ کو ساڑھے سات لاکھ احادیث ازبر تھیں اور آپ نے اپنی تیس ہزار حدیثیں جمع کیں اس زمانہ میں بھی آپ کی مسند تمام دیگر مسانید سے اعلیٰ و ارفع اور جامع شمار کی جاتی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئین کی تشکیل میں سنت کا کردار اور اس کی مثالیں

احکام قرآنی پر عمل اتباع سنت کے بغیر ناممکن ہے اگر احکام قرآنی میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت عقل کی تیزی اور فکر کی سبک پروازی کافی نہیں ان سب کے باوجود انسان کو قرآن سمجھنے میں حضور نبی کریم ﷺ کی سنت و حدیث کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔ بالفاظ دیگر سنت کی آئینی حیثیت کو تسلیم کئے بغیر قرآن کو سمجھنا ناممکن ہے۔

چند مثالیں

(۱) سب سے پہلے قرآن پاک کے اس فرمان کو لیجئے جس کے متعلق قرآن کی صد آیات میں تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

﴿اقیموا الصلوٰۃ﴾ "یعنی نماز کو قائم کرو"

نماز کی یہ موجودہ صورت جس کی تعلیم نبی اکرمؐ نے دی ہے اس سے خالی الذہن ہو کر سوچئے۔ ہمیں اس کے معنی سمجھنے کے لئے کسی عربی لغت سے رجوع کرنا پڑے گا اور اس کے لغوی معنی کا خلاصہ یہ ہوگا۔

۱۔ صلی اللحم اذا شواہ او القاہ فی النار للاحراق (۷۰)

"یعنی جس وقت گوشت کو بھونا جائے یا جلانے کے لئے آگ میں ڈالا جائے تو کہتے ہیں: صلی اللحم"

۲۔ الصلوٰۃ من الصلوین العرقین فی الظہر (۷۱)

"صلوٰۃ، صلوین کا مفرد ہے اور یہ ان دو رگوں کو کہتے ہیں جو پیٹھ میں ہوتی ہیں"

۳۔ قال کثیر من اھل اللغۃ ھی الدعا یقال صلیت لہ ای دعوت لہ و فی القرآن ﴿ان صلاتک سکن لھم﴾ (۷۲)

"اکثر اہل لغت کی رائے یہ ہے کہ اس کے معنی دعا ہے، کہا جاتا ہے کہ صلّیتُ لہ میں نے اس کے لئے دعا کی اور قرآن میں ہے اے محبوب! تیری دعا ان کے لئے باعث تسکین و طمانیت ہے"

یہ تو اس لفظ کے لغوی معنی ہیں اب صلوٰۃ کا شرعی مفہوم دیکھتے ہیں۔

الصلوٰۃ عبادۃ فیھا رکوع و سجود و ھذہ حقیقۃ شرعیۃ لادلالۃ الکلام العرب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیھا الامن حیث اشتمالھا علی الدعاء الذی ھوا اصل معناھا(۷۳)

"صلاۃ اس عبادت کو کہتے ہیں جس میں رکوع اور سجود ہوتا ہے اور اس لفظ کا یہ معنی حقیقت شرعیہ ہے اور کلام عرب اس معنی پر بالکل دلالت نہیں کرتی مگر ایک حیثیت سے وہ یہ کہ صلوٰۃ کا اصل معنی دعا ہے جس عبادت میں (اور چیزوں کے علاوہ) دعا بھی کی جاتی ہے"

اب اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن کریم کے احکام کا صحیح مفہوم سمجھنے کیلئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں بلکہ سنت نبی کی اتباع کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اب جو لوگ سنت نبویؐ کو ضروری نہیں سمجھتے اور خود اپنی عقل و فکر سے قرآن کریم کے احکام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کیا وہ آگ میں کچھ بھون کر یا جلا کر اس حکم کی تعلیم کریں گے یا صرف یہ دعا کر کے (کہ یارب ہماری تنخواہ میں اضافہ کر) اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

لامحالہ اس فرض کو ادا کرنے کے لئے ہمیں سنت نبویؐ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ سنت رسولؐ سے ہمیں نماز کے تمام آداب، فرائض اور سنتوں تک کا علم ہو گیا۔ فرائض، نوافل اور سنتوں تک کی تخصیص ہو گئی۔ بلکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتا ہوا دیکھتے ہو"

(۲) اسی طرح قرآن کریم نے مختلف مقامات پر حج کے ارکان اور وظائف کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً وقت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الحج اشھر معلومات﴾(۷۴)

"حج کے مہینے مقرر ہیں یعنی شوال، ذیقعد، دس روز ذوالحجہ کے"

اس میں ذوالحجہ کی تخصیص نہیں بلکہ سب برابر ہیں اگر آپ ایام حج کے علاوہ مناسک حج ادا کریں تو تعمیل حکم ہو جانی چاہیئے۔ پھر فرمایا:

﴿اذآ افضتم من عرفات﴾(۷۵)

"جب تم عرفات سے واپس لوٹو"

یہ نہیں بتایا کہ تمہیں کس تاریخ کو وہاں جانا ہے وہاں کیا کرنا ہے کتنا ٹھہرنا ہے اور کب لوٹنا ہے پھر فرمایا:

﴿ولیطّوفوا بالبیتِ العتیق﴾(۷۶)

"چاہئے کہ اس پرانے گھر کا طواف کریں"

طواف کے لغوی معنی تو پھرنا ہے تو کیا اگر بیت اللہ شریف کا ایک چکر لگا دیا تو تعمیل حکم ہو گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتنے چکر کاٹنے ہیں، کہاں سے ابتداء کرنی ہے اور کہاں پر اختتام۔ اثناء طواف میں کیا کرنا ہے ان چیزوں کا ذکر نہیں۔ اسی طرح احرام کا حکم دیا لیکن اس کی صورت کیا ہے کہاں سے باندھا جائے گا کب ختم ہو گا اس کی تصریح نہیں۔

﴿وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا﴾(۷۷)

"اللہ کے لئے لوگوں پر اس کے گھر کا حج فرض ہے جسے اس کی استطاعت ہو"

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ کیا اس پر بشرط استطاعت ہر سال حج فرض ہے یا عمر میں ایک دفعہ۔

اب اگر حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ارشادات کو آئینی حیثیت نہ سمجھیں تو یہ فریضہ جس کی ایک بہت بڑی حکمت تمام دنیائے اسلام میں مرکزیت اور احساس اتحاد و یگانگت پیدا کرنا ہے تشتت و افتراق کی نذر ہو جائے گا۔

نبی کریمؐ نے ہمیں نہ صرف تمام مناسک حج سکھلا دیئے بلکہ عمل کر کے بھی دکھا دیا اور فرما دیا کہ عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کر کے آدمی فریضہ حج سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ مزید فرمایا کہ "مجھ سے مناسک حج سیکھ لو"

(۴) قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

﴿یحل اللّٰہ لکم الطیبات ویحرم علیکم الخبائث﴾(۷۸)

"حلال کیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کیں تم پر ناپاک چیزیں"

سارے قرآن پاک میں چار چیزیں ہیں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ۱۔ مردار، ۲۔ خون، ۳۔ خنزیر، ۴۔ اور وہ جانور جسے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ اس کے علاوہ اور سینکڑوں چیزیں حرام ہیں۔ مثلاً کوا، گدھ، گدھا، سانپ وغیرہ ان کو حضورؐ نے حرام فرمایا۔ کیا آپ ان کو حلال کرا دیں گے۔ کتاب اللہ نے خبائث کو حرام کیا اور حضور اکرمؐ کی مبارک سنت نے ان خبائث کی تفصیل بیان کر دی۔ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے سنت رسول اور احادیث نبوی کو سمجھنا لازم ہے۔ کیونکہ قرآن پاک براہ راست سرور عالمؐ پر نازل ہوا اور حق جل شانہٗ نے اس کے تمام احکام کی تعبیر، اخبار و حکایات کا پس منظر، اجمال کی تفصیل اشارات و کنایات کی تفسیر، اصطلاحات کی تشریح، آیات بینات اور متشابہات کا مفہوم اور حروف مقطعات کا حل ہے۔ اپنے محبوب رسول کریمؐ کو واضح طور پر سمجھا دیا کیونکہ اگر قرآن کا کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوشہ حضورؐ کے علم سے مخفی رکھا جاتا تو پھر اس کے نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا؟

(۴) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔

﴿واللہ یحب المطھرین﴾(۷۹)

اور نبی ﷺ کو ہدایت کی اپنے لباس کو پاس رکھیں۔

﴿وثیابك فطھر﴾(۸۰)

حضور ﷺ نے اس منشاء پر عمل کر کے استنجاو طہارت اور جسم و لباس کے متعلق ہدایات دیں اور ان پر خود عمل کر کے بتایا۔

(۵) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر تم کو جنابت لاحق ہو گئی تو پاک ہوئے بغیر نماز نہ پڑھو۔ (سورۃ النساء : ۴۳)(سورۃ المائدہ :۶) نبی پاکؐ نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ جنابت سے کیا مراد ہے اس کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے اور کن حالتوں پر نہیں ہوتا اور اس سے پاک ہونے کا طریقہ کیا ہے۔

(۶) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب نماز کے لئے اٹھو تو اپنا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو۔ سر پر مسح کرو اور پاؤں دھوؤ یا ان پر مسح کرو۔ (سورۃ المائدہ :۶) نبی پاکؐ نے بتایا کہ منہ دھونے کے حکم میں کلی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے کان سر ایک حصہ ہے اور سر کے ساتھ ان پر بھی مسح کرنا چاہئے پاؤں میں موزے ہوں تو مسح کیا جائے اور موزے نہ ہوں تو ان کو دھونا چاہئے اس کے ساتھ آپ نے تفصیل سے بتا دیا کہ وضو کن حالتوں میں ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالتوں میں باقی رہتا ہے۔

(۷) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ رکھنے والا رات کو اس وقت تک کھا پی سکتا ہے جب تک فجر کے وقت کالا دھاگا سفید دھاگے سے ممیز نہ ہو جائے۔ (سورۃ البقرۃ : ۱۸۷) نبی کریمؐ نے بتایا کہ اس سے مراد تاریکی شب کے مقابلے میں سپیدہ صبح کا نمایاں ہونا ہے۔

(۸) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میت کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہو اور ایک لڑکی ہو تو وہ نصف ترکہ پائے گی اور دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کے ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ (سورۃ النساء : ۱۱۱) اس میں یہ بات واضح نہ تھی کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو وہ کتنا حصہ پائیں گی۔ نبی کریمؐ نے توضیح فرمائی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا دو سے زائد لڑکیوں کا مقرر کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۹) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا (سورۃ النساء: ۲۳) نبی ﷺ نے فرمایا کہ پھوپھی، بھتیجی، خالہ اور بھانجی کو جمع کرنا اس حکم میں شامل ہے۔

(۱۰) قرآن مردوں کو اجازت دیتا ہے کہ دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کر لیں۔ (سورۃ النساء: ۳) یہ الفاظ اس معاملہ میں قطعاً واضح نہیں ہیں کہ ایک مرد بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ حکم کے اس منشاء کی وضاحت نبی کریمؐ نے فرمائی اور جن لوگوں کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں ان کو آپؐ نے حکم دیا کہ زائد بیویوں کو طلاق دے دیں۔

(۱۱) قرآن سونے اور چاندی کو جمع کرنے پر سخت وعید فرماتا ہے۔ (سورۂ توبہ: ۳۴) کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں تو اس کے عموم میں اتنی گنجائش بھی نظر نہیں آتی کہ آپ روزمرہ کے خرچ سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھ سکیں یا آپ کے گھر کی خواتین کے پاس سونے یا چاندی کا ایک تار بھی زیور کے طور پر رہ سکے یہ نبیؐ ہی ہیں جنہوں نے فرمایا کہ سونے اور چاندی کا نصاب کیا ہے اور بقدر نصاب یا اس سے زیادہ سونا چاندی رکھنے والا آدمی اگر اس پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کر دے تو وہ قرآن کی اس وعید کا مستحق نہیں رہتا۔

(۱۲) قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ "چور کے ہاتھ کاٹ دو" (سورۃ المائدہ: ۳۸) ﴿السارق والسارقۃ﴾ بالکل عام ہے۔ جس کے عموم میں ہر قسم کا چور آجاتا ہے لیکن اس عموم سے حدیث رسول نے اس چور کو خارج کر دیا جس نے ربع دینار سے کم کی چوری کی ہو۔ حدیث پاک ہے:

لا یقطع السارق الا فی ربع دینار فصاعدا (۸۱)

اور اس عموم میں تخصیص کر دی کہ اس سے وہ خاص چور مراد ہے جس نے ایک خاص قدر و قیمت کی چیز چرائی ہو نہ کہ ہر قسم کے چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے جیسا کہ آیت السارق کے عموم کا اقتضاء ہے۔

اس کے علاوہ کچھ اور تخصیصات بھی احادیث سے ثابت ہیں نیز بعض فقہاء نے بھی بعض شرطیں عائد کر کے اس کے عموم میں مزید تخصیص کی مثلاً چوری محفوظ کئے ہوئے مال کی گئی ہو۔ چور مجنون نہ، اضطرار کا شائبہ نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ اگر ایسی صورتیں ہوں تب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی چور السارق کے عموم میں شامل نہیں ہو گا۔

(۱۳) قرآن کریم کی آیت ہے :

﴿حرمت عليكم الميتة والدم﴾(۸۲)

"مردار اور خون تمہارے لئے حرام ہیں"

لیکن اس عموم میں حدیث رسول نے تخصیص کی اور مچھلی، ٹڈی، جگر اور تلی وغیرہ حلال قرار دیئے حالانکہ عموم آیت کی روسے یہ چیزیں حرام قرار پائی تھیں۔

(۱۴) اسی طرح قرآن صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرتا ہے۔ رضاعی بیٹی کی حرمت کا اضافہ حدیث رسول سے ہی کیا گیا ہے۔

(۱۵) اسی طرح سورۃ النور میں (النور : ۲) زانی مرد و عورت کی جو سزا ۱۰۰ کوڑے بیان کی گئی ہے یہ عام ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے زانیٔ کے لئے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ لیکن اس آیت کے عموم میں بھی حدیث رسول نے تخصیص کر دی اور آپؐ نے اپنے طرز عمل سے بھی اس کی وضاحت فرمادی کہ سورۂ نور میں جو زنا کی سزا مقرر کی گئی ہے وہ صرف غیر شادی شدہ زانیوں کی ہے اگر زناکار مرد یا عورت شادی شدہ ہوں گے تو ان کی سزا سو کوڑے نہیں بلکہ رجم۔ سنگساری ہے۔

سنت کو آئین میں مستقل حیثیت دینے کی عقلی ضرورت

اب سنت کو آئینی حیثیت دینے کے لئے چند عقلی دلائل اور ضروریات پیش خدمت ہیں :

(۱) یہ بات زندگی کے عام مشاہدے کی ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق اس کے شہر کے عام لوگ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ شخص اپنی زندگی میں عموماً سچ بولتا ہے تو ایسے شخص کی بات قابل قبول ہو گی۔ حتیٰ کہ عدالت میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس کے متعلق یہی تصور کیا جائے گا کہ وہ سچا ہے۔ اس سے منسوب جو بھی بات ہو گی وہ صحیح اور سچی سمجھی جائے گی۔

اس حوالہ سے جب ہم نبی کریمؐ کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اکثر اہل مکہ نہیں بلکہ تمام اہل مکہ آپؐ کو "صادق اور امین" کے لقب سے یاد کرتے ہیں حتیٰ کہ دشمن بھی امین اور سچا کہتے ہیں حد تو یہ ہے کہ ہجرت کی رات بھی ان کی امانتیں آپؐ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس تھیں۔

تین سال تک حضور مخفی طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے پھر حکم خداوندی سے دعوت عام کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ کوہ صفا پر چڑھے اور تمام قبائل کو اکٹھا کر کے ارشاد فرمایا:

اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا بے شک ہم نے تو آپؐ سے سوائے صدق و سچائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

ایسے شخص کی بات کی قبول نہ کرنا جس کے متعلق اس کے دشمن بھی سچا ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ خلاف عقل بات ہے ایسے شخص کی ہر بات کو آئین میں مستقل حیثیت دینے کی عقلی ضرورت ہے اور اہم ضروری ہے۔

(۲) ہم تک قرآن پاک صحابہ کرامؓ اور تابعین کے ذریعہ سے پہنچا۔ جب ہم قرآن پاک کو مانتے ہیں اسے آئینی حیثیت دیتے ہیں تو حدیث و سنت کو مانتے ہیں اور اسے آئینی حیثیت تسلیم کرنے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے جبکہ ہم تک پہنچنے کا دونوں کا ذریعہ ایک ہی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قرآن تو نبی کریمؐ کے زمانہ میں لکھ لیا گیا تھا تو کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریمؐ امی تھے آپؐ لکھنا نہ جانتے تھے۔ جب کوئی وحی نازل ہوتی تو فوراً کاتب وحی کو بلا کر لکھوا دیتے۔ اگر کاتب وحی کے دل میں ذرا بھی کھوٹ ہو تو وہ کتابت میں جو چاہے تبدیلی کر سکتا ہے اگرچہ اس کی تبدیلی برقرار نہ رہتی مگر روایت میں اختلاف کا ثبوت مل جاتا۔ چنانچہ قرآن پر اس بات کے ایمان سے کہ یہ حرف بحرف ہم تک پہنچا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی صحابہ پر اعتماد کرنا پڑے گا اور جب صحابہ پر اعتماد کر لیا تو حدیث و سنت بھی انہوں نے ہی بیان کی اسے قبول کرنے میں کیا تردد ہے۔

(۳) اگر کسی حکمران کے پاس کسی دوسرے بادشاہ کا قاصد آتا ہے اور اس بادشاہ کے نام کوئی تحریری پیغام لے کر آتا ہے وہ بادشاہ پیغام وصول کرتا ہے اور اگر اس میں کوئی بات محمل ہوتی ہے، کوئی مشکل ہوتی ہے یا اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے تو اس پیغام کی جو تشریح وہ قاصد کرتا ہے وہ سب سے زیادہ قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے کہ اس بادشاہ کا نمائندہ خاص ہے نہ کہ وہ تشریح و وضاحت زیادہ ہو گی جو کہ مرسل الیہ خود کریں۔ چنانچہ اگر بقول منکرین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث وسنت نبی پاک کو مطاع مطلق نہ بھی مانا جائے اور بقول ان کے آپ کی حیثیت محض ایک قاصد کی (نعوذباللہ) بنادی جائے تب بھی وہ اللہ کے قاصد ہیں اور اس کا پیغام لے کر مخلوق کی طرف آئے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے خصوصی نمائندے ہیں اس لئے اپنے لائے ہوئے پیغام کی جو وضاحت وہ خود کریں وہی سب سے زیادہ معتبر ہو گی۔

(۴) سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کرنا اور قرآن پر حجیت کو ختم کر دینا اللہ اور اس کے رسولؐ کے درمیان تفریق پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

خداوند تعالیٰ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵۰ میں اللہ اور رسولؐ کے درمیان تفریق پیدا کرنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں :

"بے شک جو کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور رسولوں کے درمیان تفریق پیدا کریں اور یہ کہتے ہیں ہم کتاب کے کچھ حصہ پر تو ایمان لاتے ہیں اور کچھ حصہ پر نہیں اور یہ چاہتے ہیں ان کے درمیان کوئی راستہ نکالیں بے شک یہ لوگ صریح کافر ہیں"

یعنی جو لوگ اللہ اور رسول میں جدائی پیدا کرتے ہیں اللہ کو تو مطاع مانتے ہیں مگر رسول کو قابل اطاعت نہیں سمجھتے اور اللہ اور رسول کے درمیان راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵۲ میں خداوند قدوس نے اہل ایمان کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ دونوں پر ایمان رکھتے ہیں دونوں کو مطاع مطلق مانتے ہیں۔

"اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اللہ اور رسول کے درمیان تفریق نہ کی اللہ ایسے لوگوں کو عنقریب اجر و ثواب دیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے مہربانی ہیں"

(۵) اگر ہم سنت کی آئینی حیثیت کو نہ مانیں تو قرآن کا کلام الٰہی ہونا کس طرح معلوم ہو گا۔ اس بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :

"قرآن کو حجت مان کر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس قرآن پاک کا قرآن ہونا آخر ہمیں کیسے معلوم ہوا؟ اگر خود قرآن ہی سے معلوم ہوا حالانکہ ابھی خود قرآن کا قرآن ہونا ثابت شدہ نہ ہو قرآن سے کسی چیز کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے؟ جسے تقدیم الشیئ علی نفسہ کہتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لامحالہ غیر قرآن ہی سے قرآن کا قرآن ہونا معلوم ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ غیر قرآن بجز پیغمبر کی خبر کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ جو منقول ہو کہ بلا کم وکاست ہم تک پہنچے اور اسی کا نام سنت وحدیث ہے۔ اس لئے قرآن کا قرآن ہونا خود سنت وحدیث پر موقوف نکلا"(۸۳)

(۶) قرآن ہم تک طریق متواتر سے پہنچا اور ہم نے اس کو حجت مان لیا اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو احادیث وسنت ہم تک طریق متواتر سے پہنچیں ہم ان کو بھی حجت مانیں ورنہ علت ایک ہونے کے باوجود حکم متفرق ہو جائے گا یہ الگ بات ہے کہ قرآن کا تواتر اعلیٰ درجہ کا تواتر ہے۔ اس سے کمال یقین حاصل ہو جاتا ہے تو حدیث کے تواتر سے یقین محض حاصل ہو جاتا ہے۔ گویا یقین تو سنت وحدیث کا بھی ہے۔ مگر قرآن کی جو کیفیت ہے وہ یقین پر ایک اضافہ ہے اور اضافہ جب ہی تسلیم کیا جا سکتا ہے جب اصل تسلیم کر لیا جائے اصل کو تسلیم کئے بغیر اضافہ کو قبول کرنے ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی نیچے کی منزل منہدم کر کے اوپر کی منزل میں رہنے کا دعویٰ کرے چنانچہ سنت واحادیث متواترہ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

متواتر حدیث کی ایک قسم ہے یعنی سنت وحدیث مقسم ہے اور متواتر قسم۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی مقسم کو تسلیم نہ کرے اور قسم کو تسلیم کرے۔ کلمہ کو تسلیم نہ کرے مگر کلمہ کی ایک قسم اسم کو تسلیم کر لے یہ بات خلاف عقل ہے پہلے مقسم کی تسلیم کرنا پڑے گا۔

اور جب ہم نے متواتر کو تسلیم کر لیا تو خبر واحد کو بھی تسلیم کرنا پڑنے گا اس لئے کہ تمام ادیان کی بنیاد ایک ہی شخصیت یعنی رسول اللہ ﷺ پر ہوتی ہے تاریخ عالم میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ ایک ہی وقت میں دس بیس انبیاء مبعوث فرمادے۔ لہٰذا خبر واحد کی حجیت کو بھی تسلیم کرنا ہو گا۔ اب جب متواتر وواحد حجت ہو گی تو درمیانی اقسام یعنی مشہور وعزیز خود بخود آگئی۔(۸۴)

(۷) دراصل سنت وحدیث کو شکوک وشبہات کی نگاہ سے اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ نبیؐ کے زمانہ حیات میں کوئی مجموعہ حدیث تیار نہ ہوا تھا۔ حالانکہ حضورؐ کے زمانہ میں مجموعات تیار کئے گئے تھے۔

ان میں سے چند کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

ا۔ صحیفہ علی بن طالب اس میں دیت، فدیہ، قصاص، ذمیوں کے حقوق، ولاء و معاہدات درج تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ حضرت انسؓ کی تالیفات : حضرت انسؓ جو نبی کریمؐ کے ساتھ گھر کے ایک فرد کی طرح رہتے تھے حدیث کے متعدد مجموعے تیار کیے اور آپؐ کو پڑھ کر سنائے۔

۳۔ صحیفہ عروۃ بن زبیرؓ

۴۔ عبداللہ بن عباسؓ کے صحیفے

۵۔ صحیفہ جابر بن عبداللہ۔

۶۔ صحیفہ صادقہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے نبی کریمؐ کی اجازت سے حدیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا جس کا نام "الصادقۃ" رکھا تھا۔

۷۔ حضرت سعد بن عبادۃ کا مجموعہ حدیث و سنت

۸۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا مجموعہ

۹۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ لوگوں کی فرمائش پر وقتاً فوقتاً حدیثیں لکھ کر بھیجتیں رہتی تھیں۔

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مجموعہ حدیث۔

صحابہؓ کو حضورؐ سے کس قدر عشق تھا ملاحظہ فرمائیں ۶ ہجری میں جب حضور اپنے جاں نثار صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے جا رہے تھے حدیبیہ کے مقام پر آپؐ نے پڑاؤ کیا تو اہل مکہ نے مکہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا اہل مکہ نے آپؐ سے بات چیت کے لئے عروۃ کو بھیجا اس نے نبی کریمؐ سے شیفتگی عشق اور والہانہ عقیدت و محبت کے مظاہرے دیکھے کہ جب کبھی آپؐ کے دہن مبارک سے تھوک نکلتا تو وہ زمین پر گرنے نہیں پاتا تھا صحابہ ہاتھوں ہاتھ اسے لے لیتے اور اپنے چہروں پر مل لیتے، جب آپ وضو فرماتے ہیں تو آپؐ کے غسالہ وضو پر بھی لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے قریب ہے کہ آپس میں لڑائیوں کی نوبت آجائے۔ آپؐ کے جسم سے کوئی بال گرنے نہیں پاتا کہ اسے لے لیتے ہیں جب آپ کلام فرماتے ہیں تو سناٹا ہو جاتا ہے گویا ہر شخص سر تا پا گوش بر آواز نبیؐ ہے یہ مناظر دیکھنے کے بعد جب عروۃ واپس مکہ پہنچا تو اس نے اپنے تاثرات یوں بیان کئے۔

"اے قوم! واللہ میں نے قیصر و کسریٰ، نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں مگر خدا کی قسم عقیدت، محبت عظمت و جلال کا یہ عجیب و غریب منظر کہیں نہیں دیکھا"(۸۵)

ایک روایت میں ہے کہ عروۃ نے یہ بھی کہا کہ یہ ساتھی جو آپؐ کا لعاب زمین پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرنے نہیں دیتے ان کا خون زمین پر گرنا کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔

جب صحابہ کرامؓ کے عشق و محبت کا یہ عالم تھا کہ وہ آپؐ کا غسالہ اور لعاب مبارک بھی ضائع نہ ہونے دیتے تھے تو وہ آپؐ کے اقوال و افعال اور معمولات سے کس طرح غفلت کا برتاؤ کر سکتے ہیں۔

(۸) آپؐ کی اطاعت و پیروی صحابہ کرامؓ کے لئے اپنی زندگیوں کا سب سے قیمتی متاع عزیز تھا۔ ۲ ہجری میں جب غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آنے والا تھا آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور مشورہ طلب کیا اس موقع پر حضرت مقداد بن اسود نے ایک پر اثر تقریر کی۔

"یارسول اللہ ﷺ! جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اسے انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ تو اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ہم بنی اسرائیل کے خلاف یہ کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کا پروردگار جہاد و قتال کرے ہم بھی آپؐ کے ساتھ جہاد و قتال کریں گے"(۸۶)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا منکرین زکوٰۃ کے خلاف اقدام اطاعت و فرمانبرداری کا ایک عظیم الشان نمونہ ہے۔

(۹) اگر سنت کی آئینی حیثیت کو تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن پاک پر عمل ناممکن ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے قرآن نے جا بجا حکم دیا نماز کے قیام کا اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا۔ لیکن تفصیلات نہیں بتائیں۔ اگر محض لغت کی رو سے ان کے معنی تلاش کئے جائیں تو ان احکام پر عمل ناممکن و محال ہے۔

(۱۰) سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴ میں خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں ایک رسولؐ انہی میں سے بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے ان کو پاک کرتا ہے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے"

اس آیت مبارکہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تلاوت کتاب کے بعد نبی کریمؐ کے فرائض میں تزکیہ نفوس اور تعلیم کتاب و حکمت بھی ہے۔

اب سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ کیا یہ مقصد یعنی لوگوں کو گمراہی سے نکالنا محض تلاوت کتاب سے حل ہو جاتا ہے کیا ان کو کتاب سمجھانے کی، اس کے رموز، حکمتیں بتانے کی ضرورت نہ تھی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید ابو الاعلیٰ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں :

"جہاں تک قرآن کا تعلق ہے وہ اس معاملہ میں بالکل واضح ہے کہ محمدؐ صرف نامہ بر نہیں تھے بلکہ خدا کی طرف سے رہبر، حاکم اور معلم بھی تھے جنکی پیروی واطاعت مسلمانوں پر لازمی تھی"(۸۷)

سنت کی آئینی حیثیت پر اعتراضات کا جواب

سنت کی آئینی حیثیت تسلیم نہ کرنے والے منکرین سنت واحادیث کا اس بارے میں بڑا اعتراض یہ ہے کہ بعض سنتوں اور احادیث میں عریاں مضامین کیوں ہیں کیونکہ ان میں "عریانی" پائی جاتی ہے اس بنا پر وہ یہ باور نہیں کر سکتے کہ واقعی یہ سچی ہیں۔ غالباً ان کا خیال یہ ہے کہ نبی کریمؐ اور خواتین کے درمیان اور پھر ازواج مطہرات اور ان کے شاگردوں کے درمیان ایسی کھلی کھلی گفتگو آخر کیسی ہو سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں ان سنتوں پر فرداً فرداً کلام کرنے سے پہلے چند اصولی باتیں بیان کر دینی ضروری ہیں۔ کیونکہ موجودہ زمانے کے "تعلیم یافتہ" اصحاب بالعموم انہی باتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس طرح کی سنتوں اور احادیث پر الجھتے ہیں۔

اول : یہ کہ انسان کی داخلی زندگی کے چند گوشے ایسے ہیں جن کے متعلق اس کی ضروری تعلیم و تربیت اور ہدایات دینے میں شرم کا بے جا احساس اکثر مانع ہوتا رہا ہے اور اسی وجہ سے اعلیٰ ترقی یافتہ قومیں تک ان کے بارے میں طہارت و نظافت کے ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف رہی ہیں۔ شریعت الٰہی کا یہ احسان ہے کہ اس نے ان گوشوں کے بارے میں بھی ہمیں ہدایات دیں اور ان کے متعلق قواعد و ضوابط بتا کر ہمیں غلطیوں سے بچایا غیر قوموں کے صاحبِ فکر اس چیز کی قدر کرتے ہیں مگر مسلمان جنہیں گھر بیٹھے یہ ضابطے مل گئے آج اس تعلیم کی ناقدری کر رہے ہیں اور عجیب لطیفہ یہ ہے کہ اس ناقدری کے اظہار میں وہ لوگ بھی شریک ہو جاتے ہیں جو اہل مغرب کی تقلید میں (Sex Educa-tion) تک مدارس میں رائج کرنے کے قائل ہیں۔

دوم : یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی پاکؐ کو ہماری تعلیم کے لئے مامور فرمایا تھا اسی کے ذمہ یہ خدمت بھی کی تھی کہ اس خاص شعبہ زندگی کی تعلیم و تربیت بھی ہمیں دے اہل عرب اس معاملہ میں ابتدائی ضابطوں تک سے ناواقف تھے۔ نبیؐ نے ان کو ان کے مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی طہارت، استنجاء اور غسل وغیرہ کے مسائل نیز ایسے ہی دوسرے مسائل نہ صرف زبان سے سمجھائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ اپنی ازواج مطہرات کو بھی اجازت دی کہ آپؐ کی خانگی زندگی کے ان گوشوں کو بے نقاب کریں اور عام لوگوں کو بتائیں کہ حضورؐ خود کن ضابطوں پر عمل فرماتے تھے۔

سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت کی خاطر حضورؐ کی ازواج مطہرات کو مومنین کے لئے ماں کا درجہ عطا فرمادیا تھا تاکہ مسلمان ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زندگی کے ان گوشوں کے متعلق راہنمائی حاصل کر سکیں اور جانبین میں ان مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے کسی قسم کے ناپاک جذبہ کی دخل اندازی کا خطرہ نہ رہے یہی وجہ ہے کہ حدیث وسنت کے پورے ذخیرہ میں کوئی ایک نظیر بھی نہیں ملتی کہ جو باتیں امہات المومنین سے پوچھی گئی ہیں وہ خلفائے راشدینؓ یا دوسرے صحابہؓ کی بیگمات سے بھی پوچھی گئی ہوں اور انہوں نے مردوں سے اس نوعیت کی گفتگو کی ہو۔

چہارم: یہ کہ لوگ اپنے گمان سے یا یہود و نصاریٰ کے اثر سے جن چیزوں کو حرام یا مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھ بیٹھے تھے ان کے متعلق صرف یہ سن کر ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ شریعت میں وہ جائز ہیں۔ حکم جواز کے باوجود ان کے دلوں میں یہ شک باقی رہ جاتا تھا کہ شاید یہ کراہت سے خالی نہ ہو اس لئے وہ اطمینان کی خاطر یہ معلوم کرنا ضروری سمجھتے تھے کہ حضورؐ کا اپنا طرز عمل کیا تھا جب وہ یہ جان لیتے تھے کہ حضورؐ نے خود فلاں عمل کیا ہے تب انہیں اطمینان ہو جاتا تھا کیونکہ وہ حضورؐ کو ایک مثالی انسان سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ جو کام آپؐ نے کیا ہو وہ مکروہ یا پایۂ ثقاہت سے گرا ہوا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک اہم وجہ ہے جس کی بنا پر ازواج مطہرات کو حضورؐ کی ذاتی زندگی کے بعض ایسے معاملات کو بھی بیان کرنا پڑا جو دوسری خواتین نہ بیان کر سکتی ہیں نہ انہیں بیان کرنا چاہیے۔

پنجم: یہ کہ سنتوں کا یہ حصہ در حقیقت محمدؐ کی عظمت اور ان کی نبوت کے بڑے اہم شواہد میں شمار کرنے کے لائق ہے آپؐ کے سوا دنیا میں کون یہ ہمت کر سکتا تھا اور پوری تاریخ انسانی میں کس نے یہ ہمت کی ہے کہ تیئس (۲۳) سال تک شب و روز کے ہر لمحے اپنے آپ کو منظر عام پر رکھ دے اپنی پرائیوٹ زندگی کو بھی پبلک بنادے اور اپنی بیویوں تک کو اجازت دے دے کر میرے گھر کی زندگی کا حال بھی لوگوں کو صاف صاف بتادو۔

اعتراضات کا تفصیلی جائزہ اور جواب

پہلی حدیث میں حضرت عائشہؓ دراصل یہ بتانا چاہتی ہیں کہ نبیؐ رہبانیت سے بالکل دور تھے اور اپنی ازواج سے وہی ربط و تعلق رکھتے تھے جو دنیا کے ہر شوہر کا اپنی بیوی سے ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ سے آپ کا ایسا گہرا تعلق تھا کہ بستر میں بیوی کے ساتھ لیٹ جانے کے بعد بھی بسا اوقات یکایک آپ پر عبادت کا شوق غالب آجاتا تھا اور آپ دنیا کا لطف و عیش چھوڑ کر اس طرح اٹھ جاتے تھے کہ گویا آپ کو خدا کی بندگی کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ نبیؐ کی حیات طیبہ کا یہ مخفی گوشہ آپ کی اہلیہ کے سوا اور کون بتا سکتا تھا؟ اور اگر یہ منظر عام میں نہ آتا تو آپؐ کے اخلاص للہیت کی صحیح کیفیت دنیا کیسے جانتی؟ مجلس وعظ میں خدا کی محبت اور خشیت کا مظاہرہ کون نہیں کرتا۔ سچی اور گہری محبت و خشیت کا حال تو اسی وقت کھلتا ہے جب معلوم ہو کہ گوشۂ تنہائی میں آدمی کا رنگ زندگی کیا ہوتا ہے۔

دوسری سنت و حدیث میں دراصل بتانے کا مقصود یہ ہے کہ بوسہ بجائے خود وضو توڑنے والی چیز نہیں ہے جب تک کہ غلبہ جذبات سے کوئی رطوبت خارج نہ ہو جائے۔ عام طور پر لوگ خود بوسے ہی کو ناقص وضو سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سے اگر وضو ٹوٹتا نہیں ہے تو کم از کم طہارت میں فرق ضرور آجاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ان کا شک دور کرنے کے لئے یہ بتانا پڑا کہ حضورؐ نے خود اس کے بعد وضو کیئے بغیر نماز پڑھی ہے۔ یہ مسئلہ دوسرے لوگوں کے لئے چاہئے کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو مگر جنہیں نماز پڑھنی ہو انہیں تو یہ معلوم ہونے کی بہر حال ضرورت ہے کہ کس حالت میں وہ نماز پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں اور کس حالت میں نہیں ہوتے۔

تیسری حدیث میں ایک خاتون کو اس مسئلہ سے سابقہ پیش آجاتا ہے کہ اگر ایک عورت اسی طرح کا خواب دیکھے جیسا عام طور پر بالغ مرد دیکھا کرتے ہیں تو وہ کیا کرے۔ یہ صورت چونکہ عورتوں کو بہت کم پیش آتی ہے اس لئے عورتیں اس کے شرعی حکم سے ناواقف تھیں ان خواتین نے جا کر حضورؐ سے یہ مسئلہ پوچھ لیا اور آپؐ نے فرمایا کہ عورت کو بھی مرد کی طرف غسل کرنا چاہئے اس طرح آپؐ نے تمام خواتین کو ایک ضروری تعلیم دے دی۔

اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو گویا وہ یہ چاہتا ہے کہ عورتیں اپنی زندگی کے مسائل کسی سے نہ پوچھیں اور شرم کے مارے خود ہی جو کچھ اپنی سمجھ میں آئے کرتی رہیں۔ رہا حدیث کا دوسرا ٹکڑا تو اس میں ایک خاتون کے اظہار تعجب پر حضورؐ نے یہ علمی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ عورت سے بھی اسی طرح مادہ خارج ہوتا ہے جس طرح مرد سے خارج ہوتا ہے۔ اولاد ان دونوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے اور دونوں میں سے جس کا نطفہ بھی غالب رہتا ہے بچے میں اسی کی خصوصیات زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔

اس حدیث کی جو تفصیلات بخاری و مسلم کے مختلف ابواب میں آئی ہیں انہیں ملا کر دیکھیں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک روایت میں حضورؐ کے یہ الفاظ ہیں :

وهل يكون الشبه الا من قبل ذالك؟ اذ اعلا مأ ء ها ماء الرجل اشبه الولد اخواله واذااعلاماء الرجل ماء ها اشبه الولد اعمامه(۸۸)

"اور کیا اولاد کی مشابہت اس کے سوا کسی اور وجہ سے ہوتی ہے ؟ جب عورت کا نطفہ مرد کے نطفے پر غالب رہتا ہے تو بچہ ننھیال پر جاتا ہے اور جب مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر غالب رہتا ہے تو بچہ ددھیال پر جاتا ہے"

منکرین حدیث نے جہالت یا شرارت سے ان احادیث کو یہ معنی پہنائے ہیں کہ مجامعت میں اگر مرد کا انزال عورت سے پہلے ہو تو بچہ باپ پر جاتا ہے ورنہ ماں پر۔

چوتھی حدیث وسنت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ فرمایا ہے کہ زوجین ایک ساتھ غسل کر سکتے ہیں اور حضور نے خود ایسا کیا ہے۔

اس مسئلہ کو معلوم کرنے کی ضرورت دراصل ان لوگوں کو پیش آئی تھی جن کے ہاں بیویاں اور شوہر سب نماز کے پابند تھے فجر کے وقت ان کو بارہا اس صورت حال سے سابقہ پیش آتا تھا کہ وقت کی تنگی کے باعث یکے بعد دیگرے غسل کرنے سے ایک کی جماعت چھوٹ جاتی تھی۔ ایسی حالت میں انہیں یہ بتانا ضروری تھا کہ دونوں کا ایک ساتھ غسل کر لینا نہ صرف جائز ہے بلکہ اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ مدینہ میں اس وقت بجلی کی روشنی والے غسل خانے نہیں تھے اور فجر کی نماز اس زمانے میں اول وقت ہوا کرتی تھی اور عورتیں بھی صبح اور عشاء کی نمازوں میں مسجد جایا کرتی تھیں۔ ان باتوں کے پیش نظر دیکھا جائے تو حدیث وسنت کے ماننے میں کیا چیز مانع ہے۔

پانچویں حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بتایا ہے کہ خواب میں غسل کس حالت میں ہوتا ہے اور کس حالت میں واجب نہیں ہوتا اور چھٹی حدیث میں انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ بیداری کی حالت میں غسل کب واجب ہو جاتا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو آدمی اس وقت تک پوری طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وجوب غسل کے معاملہ میں اس وقت صحابہ کرامؓ اور تابعین کے درمیان ایک اختلاف پیدا ہو گیا تھا بعض صحابہؓ اور ان کے شاگرد اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ غسل صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب مادہ خارج ہو۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ بتانا پڑا کہ یہ حکم صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواب کی حالت کے لئے ہے۔ بیداری میں مجرد دخول موجب غسل ہو جاتا ہے اور نبی کریمؐ کا اپنا عمل اسی طریقے پر تھا۔

ظاہر ہے یہ معاملہ نماز کے لئے بڑی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ جو شخص صرف خروج مادہ پر غسل واجب ہونے کا قائل ہوتا وہ مباشرت بلا اخراجِ مادہ کے بعد نماز پڑھنے کی غلطی کر سکتا تھا نبیؐ کا اپنا عمل بتانے ہی سے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہوا۔

دیگر اس طرح کی متعدد احادیث و سنت کو جاننے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کے ناپاک ہونے کا تصور قدیم شریعتوں میں تھا اور شریعت محمدیہؐ میں بھی پیش کیا گیا لیکن قدیم شریعتوں میں یہودیوں اور عیسائی راہبوں کی مبالغہ آرائیوں نے اس تصور کو حد اعتدال سے اتنا بڑھا دیا تھا کہ وہ اس حالت میں انسان کے وجود ہی کو ناپاک سمجھنے لگے تھے اور ان کے اثر سے حجاز کے اور خصوصاً مدینے کے باشندوں میں بھی یہ تصور حد مبالغہ کو پہنچ گیا تھا خصوصاً حائضہ عورت کا تو اس معاشرے میں گویا پورا مقاطعہ ہو جاتا تھا۔ مشکوٰۃ شریف کے باب الحیض کی پہلی حدیث میں ہے کہ :

"جب عورت کو حیض آتا تھا تو یہودی اس کے ساتھ کھانا، پینا اور اس کے ساتھ رہنا سہنا چھوڑ دیتے تھے"(۸۹)

نبی کریمؐ نے لوگوں کو بتایا کہ اس حالت میں صرف فعل مباشرت ناجائز ہے باقی ساری معاشرت اسطرح رہنی چاہئے جسے عام حالت میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مدت تک لوگوں میں قدیم تعصبات باقی رہے اور لوگ یہ سمجھتے رہے کہ جنابت اور حیض کی حالت میں انسان کا وجود کچھ نہ کچھ گندا تو رہتا ہی ہے اور اس حالت میں اس کا ہاتھ جس چیز کو لگ جائے وہ بھی کم از کم مکروہ تو ضرور ہو جاتی ہے۔

ان تصورات کو اعتدال پر لانے کے لئے حضرت عائشہؓ کو یہ بتانا پڑا کہ حضورؐ خود اس حالت میں کوئی اجتناب نہیں فرماتے تھے آپؐ کے نزدیک نہ پانی گندا ہوتا تھا نہ بستر نہ جائے نماز نیز یہ بھی انہوں نے ہی فرمایا کہ حائضہ بیوی کے ساتھ ان کا شوہر صرف ایک فعل نہیں کر سکتا باقی ہر قسم کا اختلاط جائز ہے۔

ان تعصبات کو حضورؐ کا اپنا فعل بتا کر حضرت عائشہؓ اور دوسری ازواج مطہرات نے نہ توڑ دیا ہوتا تو آج ہمیں اپنی گھریلو معاشرت میں جن مشکلات سے سابقہ پیش آسکتا تھا ان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنے ان محسنوں کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے ہم اب بیٹھے یہ سوچ رہے ہیں کہ بھلا نبیؐ کی بیوی اور ایسی باتیں بیان کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منکرین سنت وحدیث کاایک اعتراض "شادی شدہ زانی کے رجم کا مسئلہ" پر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کتب احادیث میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لئیے رجم یعنی سنگسار کرنے کی سزا ہے اور یہ قرآن کریم کے حکم کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ مجموعہ ہائے حدیث جن میں مخالف قرآن احکام درج ہیں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔

اس سے پیشتر کہ اعتراض کا تفصیلاً جواب عرض کیا جائے تمہیداً ایک چیز گوش گزار کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ امت اسلامیہ میں جس نے سب سے پہلے رجم کا انکار کیا وہ خارجی فرقہ ہے تاریخ اسلام کے ایک ابتدائی طالب علم سے بھی یہ امر مخفی نہیں کہ وحدت ملی میں سب سے پہلے انشقاق اور اختلاف پیدا کرنے کا سہرا انہیں خوارج کے سر ہے زاہد و تقشف اور ورع و تقویٰ کے غرور نے ان کی عقلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے کہ منہاج نبوت سے روگردانی کرکے اپنے آراء وافکار کی دہلیزوں پر سجدہ ریز ہو گئے۔ کچھ مدت امیر المومنین حضرت علیؓ کے ساتھ رہے پھر جب آپ نے حضرت معاویہ سے صلح کرنے کے لئے وہ حکم مقرر کئے تو ان عقل کے اندھوں کو پندار علم لے ڈوبا اور ان الحکم الا للّٰہ سے استدلال کرتے ہوئے شیر خدا کی تکفیر کا فتویٰ جڑ دیا اور بارہا حضرت امیر المومنین سے برسر پکار ہوئے اور یہ شقاوت بھی ان بد نصیبوں کے حصہ میں لکھی تھی کہ ان کی تلوار حضرت کے خون سے رنگین ہوئی۔

ان کی ہمہ دانی نے جو نئے نئے گل کھلائے ہیں ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمایئے:

"خوارج نے شادی شدہ زانی کے رجم کو باطل کر دیا اور چور کا ہاتھ بغل سے کاٹتے۔ حائضہ عورت پر حالت حیض میں نماز فرض کی، جو نیکی کا حکم نہ کرے اور برائی سے نہ رکے اور اس کی طاقت رکھتا ہو، اس کی تکفیر کا حکم کرتے اور جو طاقت نہ رکھنے کے باعث خاموش رہے اسے گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دیا اور ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب اور کافر میں کوئی فرق نہیں۔ ذمیوں کے مال سے انہوں نے اپنے ہاتھ روک لئے اور مسلمانوں کو علی الاعلان قتل کرنا، قید کرنا اور لوٹنا شروع کر دیا اور جو ان کا ہم عقیدہ نہ ہو اسے متفقہ طور پر کافر قرار دیتے اور اس کا خون، مال اور اہل اپنے لئے مباح سمجھتے" (۹۰)

خوارج کی پہلی دلیل

سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کی زنا کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وعلیہن نصف ما علی المحصنات﴾ (۹۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"لونڈیوں کی سزا محصنات کی سزا کا نصف ہے"

وہ کہتے ہیں کہ محصنات کے معنی شادی شدہ عورتیں ہیں اگر ان کی سزا رجم ہوئی تو لونڈی کی سزا نصف رجم ہونا چاہئے۔ حالانکہ رجم کی تنصیف ناممکن ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ محصنات (شادی شدہ) کی سزا سو درے اور پچاس درے لونڈیوں کی حد زنا ہے تو اس آیت سے صراحتہً معلوم ہو گیا کہ محصنات (شادی شدہ) اگر زنا کی مرتکب ہوں تو انہیں رجم نہیں بلکہ درے لگائے جائیں گے۔

رد دلیل خوارج :

ان کی دلیل کا دارومدار اس پر ہے کہ محصنات کے معنی صرف شادی شدہ ہے آیئے ذرا اس لفظ کی تحقیق کریں تا کہ حقیقت واشگاف ہو جائے۔

محصنات کا مفرد محصنہ اور اس کا ماخذ احصان ہے اور اہل لغت نے اس کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے۔

الاحصان فی اللغة المنع و کذلك الحصانة يقال مدينة حصينة و درع حصينة ای ما نعة صاحبها من الجرحة(۹۲)

"احصان کے لغوی معنی منع کرنا یعنی روکنا ہے اور حصانۃ کے بھی یہی معنی ہیں اس لئے اس شہر کو جو اپنے باشندوں کو دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھے مدینۃ حصینۃ کہتے ہیں اور وہ زرہ جو حملہ آور کے وار کو روک لے اور اپنے پہننے والے کو زخم سے بچائے اسے درع حصینۃ کہا جاتا ہے۔"

یہ لفظ اکثر ایسے مرد اور عورت کی صفت واقع ہوتا ہے جو اپنے آپ کو زنا اور بدکاری سے روکے رکھے اور اس کے قریب تک نہ پھٹکے وہ مرد یا عورت جو زنا سے رکی رہتی ہے اس کے رکنے کے کئی ایک اسباب ہیں اس لئے جس شخص میں ان اسباب میں سے کوئی سبب پایا جائے اسے محصن کہتے ہیں۔ چنانچہ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں :

و اصل الاحصان المنع والمراة تكون محصنة بالاسلام والعضاف والحرية والتزويج(۹۳)

"یعنی احصان کا اصل معنی تو منع کرنا اور روکنا ہے اور عورت جب مسلمہ ہو تو اسے محصنۃ کہا جاتا ہے (کیونکہ اس کی عفت اور پاکبازی اسے اس فعل سے روکتی ہے) اگر آزاد ہو تب بھی اسے محصنۃ کہا جاتا ہے (کیونکہ آزاد عورت گناہ کے قریب نہیں جاتی) اگر شادی شدہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تب بھی اسے محصنۃ کہا جاتا ہے (کیونکہ زواج بھی عورت کو اس سے باز رکھتا ہے)

اس لغوی تحقیق سے یہ واضح ہو گیا کہ لفظ محصنۃ کا استعمال صرف شادی شدہ عورت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جو عورت اسلام، عفت اور حریت کی اوصاف سے متصف ہو اسے بھی محصنۃ کہا جاتا ہے۔

جو کہ قرآن کریم میں یہ لفظ یعنی احصان کبھی حریت سے حاصل ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿والمحصنت من الذین......الخ﴾

"وہ آزاد عورتیں جو ان میں سے ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے"۔

اور کبھی اسلام سے جیسے :

﴿فاذآ احصن ...... الخ﴾ "یعنی جب وہ اسلام لے آئیں"

اور کبھی عفت و پاکبازی سے جیسے اس آیت میں :

﴿والذین یرمون......الخ﴾ "یعنی جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں"

اور کبھی احصان شادی سے حاصل ہوتا ہے جیسے :

﴿والمحصنت من النساء﴾ "یعنی شادی شدہ عورتیں"(۹۴)

اب غور کریں کہ اس آیت میں جس کو خارجیوں نے بطور استدلال پیش کیا المحصنات کے کیا معنی ہیں۔۔۔۔ اس میں دو قول ہیں۔ ایک اس نبی اکرمؐ کا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن نازل فرمایا اور اس کے مفہوم سے آگاہ کیا اس کے صحابہ خلفاء راشدین اور تمام امت کا۔ اور دوسرا قول ہے خوارج کا جن کی عاقبت نااندیش حرکتیں اور خطرناک لغزشیں محتاج بیان نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمیں پہلا قول تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس آیت میں المحصنت کے معنی "الابکار الحرا ہے"(۹۵)

یعنی وہ عورتیں جو باکرہ اور آزاد ہیں اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ لونڈیوں کی زنا کی سزا باکرہ حرہ کی سزا کا نصف ہے اور باکرہ (غیر شادی شدہ) کی سزا جب سو (۱۰۰) دُرّے ہے تو لونڈی کی سزا پچاس درے ہو گی۔

ہمارے اس دعویٰ کی کہ سنت نبوی کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ قرآن کے الفاظ کے معانی کا تعین پیروی سنت کے بغیر ناممکن ہے۔ ﴿فاعتبروا یا أولی الابصار﴾

خوارج کی دوسری دلیل سورۃ النور کی اس آیت سے ہے :

﴿الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة﴾(۹۶)

"زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کو سو سو درے لگاؤ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خارجی کہتے ہیں کہ یہاں مطلق زانی اور زانیہ کی سزا سو درے مقرر کی گئی ہے اس میں شادی شدہ اور غیر شادی کا کوئی امتیاز نہیں اور رجم والی حدیث خبر واحد ہے اس عام حکم کی تخصیص خبر واحد سے جائز نہیں اس لئے یہاں الزانیہ والزانی سے غیر شادی شدہ مراد لینا قطعاً درست نہیں۔ آیت اپنے اطلاق پر رہے گی اور شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کا کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔

ردِّ دلیل دوم :

یہ بات طے شدہ ہے کہ خبر متواتر قطعی ہونے کی وجہ سے مخصص ہو سکتی ہے اور خبر واحد چونکہ ظنی ہے۔ اس لئے وہ آیت کی جو قطعی ہوتی ہے مخصص نہیں ہو سکتی اور یہ ایک مسلمہ ہے جس سے خوارج کو بھی انکار نہیں اس لئے انہوں نے یہی اعتراض کیا کہ حدیث رجم خبر واحد ہے اس لئے مخصص نہیں۔ اگر حدیث رجم خبر متواتر یا مشہور ہو تو پھر ان کے نزدیک بھی تخصیص آیت جائز ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے یا مرتبہ تواتر و شہرت کو پہنچ چکی ہے۔

"ابو بکر الرازی کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل صحابہ نے حدیث رجم کی روایت کی ہے۔
حضرت ابو بکر عمر۔ علی۔ جابر بن عبید اللہ، ابو سعید خدری ابو ہریرہ۔ بریدۃ الاسلمی اور زید بن خالد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ان جملہ صحابہ نے فقط اس حدیث و سنت کو روایت ہی نہیں کیا بلکہ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے عہد خلافت میں اس پر عمل فرما کر اس کی قطعیت ثبوت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی"(۹۷)

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح فرمائی ہے :

اجمع الصحابة وائمة الا مصار علی ان المحصن اذا زنی عامد اعالما مختارا فعلیه الرجم

"تمام صحابہ اور بلاد اسلامیہ کے تمام اماموں کا اس پر اجماع ہے کہ اگر شادی شدہ مرد قصداً جان بوجھ کر بلا جبر و اکراہ زنا کا مرتکب ہو تو اسے رجم کیا جائے گا"

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ خوارج کا حدیث رجم کو خبر واحد قرار دے کر اس سے انکار سراسر فریب اور دھوکہ ہے۔

اس کے باوجود اگر خوارج اس بات پر مصر ہوں کہ کیونکہ آیت مطلق و عام ہے اس لئے اگرچہ احادیث متواترہ و مشہورہ موجود ہیں لیکن ہم اس کی عمومیت پر ہی عمل کریں گے تو عرض ہے کہ کیا احادیث کو متروک قرار دینے کے بعد بھی وہ آیت کے عموم پر عامل رہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجنون یا جو کسی جابر ظالم کی تہدید سے مجبور ہو کر یا نادانستہ (یعنی اسے اپنی بیوی خیال کر کے) اس فعل شنیع کا مرتکب ہو تو اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ حالانکہ آیت میں استثناء مذکور نہیں۔ تو یہ کس قدر اچنبہ ہے کہ اپنی رائے سے تو آیت کی تخصیص کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اگر وہ نبی صادق احکام الٰہیہ کی تبیین بقول :

﴿لتبین للناس ما نزل الیھم﴾ فرماتا ہے تو اس پر ناک بھوئیں چڑھائے جاتے ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

خوارج کی تیسری دلیل :

ہم مانتے ہیں کہ عہد رسالت میں رجم کیا گیا لیکن یہ آیت کے نزول سے پیشتر ہوا۔ آیت نازل ہونے کے بعد وہ حکم منسوخ کیا گیا۔

رد دلیل سوم :

خوارج کا یہ تسلیم کرنا کہ عہد رسالت میں بھی رجم ہوا یہ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ احادیث خوارج کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں اور ان کے تواتر و شہرت کی وجہ سے ان کو بھی یارائے انکار نہیں۔ اتنا تسلیم کرنے کے بعد انہیں لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رجم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ہوا کیونکہ آیت ﴿الزانیة والزانی......الخ﴾ غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر جب کہ واقعہ افک پیش آیا نازل ہوئی اور غزوہ بنو مصطلق صحیح روایات کے مطابق ۵ ہجری میں ہوا جس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت ۵ ہجری میں نازل ہوئی اور حضرت ماعز کے رجم کے راوی حضرت ابن عباس ہیں اور ابن عباس ۹ ہجری میں اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ حاضر ہوئے۔

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جس وقت ماعز بن مالک نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زنا کا اعتراف کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ شاید تم نے صرف بوسہ لیا ہو یا کنکھیوں سے اشارہ کیا ہو یا دیکھا ہو (اور اسی کو اپنے زہد و ورع کے باعث زنا سمجھ بیٹھے ہو) ماعز نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہؐ ایسا نہیں ہوا پھر حضورؐ نے استفسار فرمایا کیا تو نے واقعی اس فعل شنیع کا اِرتکاب کیا ہے تو اس نے پھر اعتراف کیا، اس پر حضورؐ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا"(۹۹)

دوسری حدیث بھی صحیح بخاری کی ہے اور اس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں جو ۷ ہجری میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

"مجھے عبید اللہ نے بتایا کہ میں نے ابوہریرہؓ اور زید بن خالد سے سنا کہ ہم بارگاہ رسالتؐ میں حاضر تھے ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ خدا کے لئے کتاب اللہ کے مطابق ہمارا فیصلہ فرمایئے اس کا مقابل (مدعی علیہ) اٹھا اور اس سے زیادہ عقل مند تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمایئے اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ حضورؐ نے اسے عرض کرنے کی اجازت دے دی اس نے کہا میرا لڑکا اس شخص کے پاس اجرت پر کام کرتا تھا اور اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا میں نے اس کے فدیہ میں ایک سو بکری دی اور ایک غلام آزاد کیا پھر میں نے اس کے متعلق اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے لڑکے کو ۱۰۰ درے لگیں گے اور ایک سال اسے جلاوطن کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔ حضورؐ نے یہ سن کر فرمایا: میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ ۱۰۰ بکری اور وہ غلام تجھے واپس لوٹا دیا جائے گا اور تیرے لڑکے کو ۱۰۰ درہ لگایا جائے گا اور ایک سال کے لئے اسے جلاوطن کیا جائے گا۔ اے انیس (ایک صحابی کی طرف روئے سخن فرما کر) تو اس آدمی کی عورت کے پاس جا کر دریافت کر اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دو۔ چنانچہ انیس اس کے پاس گئے اس نے اعتراف جرم کیا اور اسے رجم کیا گیا"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت حضورؐ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا تو اس وقت حضرت ابوہریرہؓ موجود تھے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ۷ ہجری کے بعد کا ہے خوارج کا یہ کہنا ہرگز قابل قبول نہیں کہ اس آیت کے بعد رجم نہیں کیا گیا۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی حد زنا میں یہ فرق جس طرح کتاب و سنت کے مطابق ہے اسی طرح عقل سلیم بھی اسی کی متقاضی ہے۔

سزا کی نوعیت جرم کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر جرم سنگین ہے تو سزا بھی سخت اور اگر جرم خفیف قسم کا ہے تو سزا میں بھی ضرور نرمی ملحوظ رکھی جائے گی۔ غیر شادی شدہ زانی سے شادی شدہ زانی کا جرم بلاشبہ سنگین تر ہے۔ اس کی بیوی ہے بچے ہیں۔ اس کے باوجود جذبہ ہوس رانی کو ضبط نہیں کرتا بلکہ مست ہاتھی کی طرح دندناتا پھرتا ہے اور معصوم عصمتوں کی غارتگری میں مشغول ہے۔ نیز شادی کے بعد بھی اگر مرد یا عورت اس فعل سے باز نہ آئے تو اس کے اثرات بد صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتے۔ کیا آپ نے آباد گھروں کو اجڑتے نہیں دیکھا قتل و غارت کی المناک داستانیں نہیں سنیں، بے بس اور بے کس بچوں کو نہیں دیکھا جو اپنے باپ یا ماں کی غلطی کی وجہ سے دربدر پھرتے ہیں۔ ان کی زندگی جہنم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنی ہوئی ہے اور مستقبل تاریک۔

شادی شدہ شخص ایسی عبرتناک سزا کا مستحق ہے جس کی وجہ سے پھر کسی کو ایسا کرنے کی ہمت ہی نہ ہو جس پر انعام زیادہ اس پر گرفت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے سنا نہیں!

"اے نبی کی بیبیو! اگر تم میں سے کسی نے غلطی کی تو اسے دگنا عذاب دیا جائے گا"

عصمت و آبرو کی حفاظت کا یہ اصول اور غیرت و حمیت کا یہ سبق اسلام ہی نے سکھایا، اور اس جرم کو شرک اور گناہ کے برابر رکھا۔ بلکہ تہمت زنا پر اسی (۸۰) درے کی سزا کا مقرر کرنا تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ سب سے سنگین ترین جرم ہے اور اس سے کسی کو بلاوجہ متہم کرنا (ایسی سزا کا موجب ہے جو شرک و قتل پر نہیں۔

آخر پر سنت کی آئینی حیثیت کے حوالہ سے علامہ محمد اسد کا قول بیان کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"سنت نبویؐ ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے جس طرح کاغذ کا گھروندا" (۹۹)

سنت کی آئینی حیثیت سے انکاری لوگوں کے بارے میں علامہ لکھتے ہیں:

"ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جو کسی محل میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کنجی کو استعمال کرنا نہیں چاہتا جس کے بغیر دروازے کا کھلنا ممکن ہی نہیں" (۱۰۰)

دعا ہے خداوند قدوس سنت کی آئینی حیثیت کو نہ صرف تسلیم کرنے بلکہ ان پر عمل کرنے اور پکا سچا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے، اور حضور اکرم ﷺ کے صدقے ہم پر رحمت، فضل، ترس اور کرم فرمائے اور صحیح معنوں میں غلام احمدؐ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کیونکہ!

از عمل خویش ندارم امید
بر کرم تست مرا اعتماد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ سورۃ مائدہ : ۳

۲۔ قواعد التحدیث ص ۱۴۶

۳۔ بحوالہ الاعتصام حجیت حدیث نمبر...... ۱۷ فروری ۱۹۵۶ء

۴۔ ترجمہ فلسفہ شریعت اسلام، ص ۱۶۴

۵۔ آمدی، سیف الدین ابی الحسن "الاحکام فی اصول الاحکام" بیروت، ۱۹۹۰ء، ج ۱ ص ۲۴۱

۶۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ۔ سنت کی آئینی حیثیت، لاہور : اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء، ص ۳۱

۷۔ ابن منظور، لسان العرب، قاہرہ : دار المعارف، جلد ۲ ص ۷۹۶

۸۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ، ملتان : ج ۱ ص ۲۴۳، (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

۹۔ عتر، نور الدین الدکتور۔ منہج النقد فی علوم الحدیث، دمشق : دار الفکر، ۱۹۸۱ء، ص ۲۶

۱۰۔ القاری، علی بن سلطان الحصروی، شرح نخبۃ الفکر، کوئٹہ : ۱۹۷۳ء ص ۱۶

۱۱۔ کلیات ابی البقاء مطبع الامریہ ۱۲۸۰ھ، بحوالہ علوم الحدیث و مصطلحہ، ص ۱۵۲

۱۲ محمد تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۷۱۔ ۷۲

۱۳۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ۔ ترجمان القرآن، جنوری ۱۹۵۸ء، ص ۲۱۸

۱۴۔ کرم شاہ، پیر محمد، سنت خیر الانامؐ، اسلام آباد : دعوۃ اکیڈیمی ۱۹۹۱ء، ص ۳۵۔ ۳۷

۱۵۔ سورۃ آل عمران : ۳۱

۱۶۔ سورۃ آل عمران : ۳۲

۱۷۔ سورۃ احزاب : ۲۱

۱۸۔ سورۃ اعراف : ۱۵۷

۱۹۔ سورۂ حشر : ۷

۲۰۔ سورۃ النساء : ۱۰۵

۲۱۔ سورۃ الشوریٰ : ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۲۔ سورۃ النور: ۵۱

۲۳۔ سورۃ النساء: ۶۵

۲۴۔ سورۃ النساء: ۶۴

۲۵۔ سورۃ النساء: ۸۰

۲۶۔ سورۃ الفتح: ۱۰

۲۷۔ سورۂ محمد: ۳۳

۲۸۔ سورۃ احزاب: ۳۶

۲۹۔ سورۃ النساء: ۵۹

۳۰۔ سورۂ نحل: ۴۴

۳۱۔ سورۂ توبہ: ۲۹

۳۲۔ الاربعین للنووی

۳۳۔ اعلام الموقعین لابن قیم، ج ۲ ص ۲۳۲

۳۴۔ احمد بن حنبلؒ، شافعیؒ، ترمذیؒ، ابو داؤدؒ، ابن ماجہؒ، بیہقی فی دلائل النبوۃ

۳۵۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔ حاکم

۳۶۔ ابو داؤد۔ صحیح سنن ابی داؤد

۳۷۔ بخاری و مسلم، نسائی، دارمی، مسند امام احمد بن حنبلؒ، کتاب النکاح۔

۳۸۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، بیروت: ج ۹ ص ۱۱۴

۳۹۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، بیروت: ج ۹ ص ۷۷

۴۰۔ سورۃ النساء: ۸۰

۴۱۔ سورۃ الجن: ۲۳

۴۲۔ بخاری۔ ج ۹ ص ۱۱۵

۴۳۔ صحیح بخاری، ج ۹ ص ۱۱۳

۴۴۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ج ۲ ص ۲۵۷

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ تاریخ ابن الاثیر۔ ج ۲ ص ۱۶۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۷۔ سورۃ التوبہ : ۱۰۳
۴۸۔ صحیح بخاری۔ ج ۲ ص ۱۱۵
۴۹۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی اجتہاد الرای فی القضاء، ص ۳۰۳
۵۰۔ الاحکام الامدی، ج ۱ ص ۲۴۷ ار بخاری و مسلم
۵۱۔ اعلام الموقعین، ج ۱ ص ۲۶۱
۵۲۔ ذہبی امام، تذکرۃ الحفاظ، ص ۳۷
۵۳۔ اعلام الموقعین لابن قیم، ج ۱ ص ۲۷
۵۴۔ تاریخ ابن الاثیر، ج ۳ ص ۲۰۸، کتاب الخراج، ص ۱۶
۵۵۔ کنزالعمال، ص ۲۳۹
۵۶۔ صحیح مسلم کتاب الحج باب تقبیل الحجر، ج ۴ ص ۶۶
۵۷۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یوم الجمعہ، ج ۲ ص ۲۸
۵۸۔ کنزالاعمال، ج ۴ ص ۳۷۱
۵۹۔ کنزالاعمال، ج ۴ ص ۳۷۲
۶۰۔ تاریخ طبری، ج ۳ ص ۴۴۶
۶۱۔ تاریخ طبری، ج ۳ ص ۵۵۰
۶۲۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیہ باب کیف القضاء، بیروت : دارالفکر، جزو ثالث، ص ۳۰۱، ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی القاضی لایقضی بین الخصمین حتی یسمع کلامھا، کراچی، ج ۱ ص ۲۴
۶۳۔ مناقب امام ابو حنیفہؒ و صاحبین للذہبی، ج ۱ ص ۲۰
۶۴۔ کتاب المیزان شعرانی، ج ۱ ص ۶۱
۶۵۔ مناقب امام ابو حنیفہؒ و صاحبین للذہبی، جلد ۱ ص ۶۲
۶۶۔ الذہبی مناقب الامام ابو حنیفہ و صاحبیہ، ص ۱۱۵
۶۷۔ الرسالہ، ص ۲۸
۶۸۔ کتاب الام : ج ۷، ص ۲۵۲
۶۹۔ نجم الدین سیوہاری، سیرۃ الشافعی : ص ۱۷۳
۷۰۔ راغب اصفہانی، امام، مفردات راغب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ تاج العروس

۷۴۔ سورۃ البقرہ : ۱۹۷

۷۵۔ ایضاً : ۱۹۸

۷۶۔ سورۃ الحج : ۲۹

۷۷۔ سورۃ آل عمران : ۹۷

۷۸۔ سورۃ اعراف : ۱۵۷

۷۹۔ سورۃ توبہ : ۱۰۸

۸۰۔ سورۃ المدثر : ۴

۸۱۔ النسائی، عبدالرحمن احمد بن شعیب، سنن نسائی قطع السارق المکتبۃ السلفیہ ۱۹۷۶ء

۸۲۔ سورۃ المائدہ : ۳

۸۳۔ شبیر احمد عثمانی، علامہ، فضل الباری، کراچی، ۱۹۷۳ء، ج ۱ص ۹

۸۴۔ ایضاً...... ص ۸۹۔ ۹۰

۸۵۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرت المصطفیٰ، لاہور مکتبہ عثمانیہ ۱۹۹۲ء، ج ۲ص ۳۵۶

۸۶۔ ایضاً...... ج ۲ص ۶۲

۸۷۔ مودودیؒ، ابوالاعلیٰ سید، سنت نبوی کی قانونی حیثیت، رسول نمبر سیارہ ڈائجسٹ، لاہور،
اکتوبر ۱۹۸۵ء، ج ۲ص ۳۶۴

۸۸۔ بخاری و مسلم، مختلف ابواب

۸۹۔ مشکوٰۃ شریف باب الحیض۔ حدیث

۹۰۔ فتح الملہم شرح صحیح مسلم

۹۱۔ سورۃ النساء : ۲۶

۹۲۔ مفردات راغب

۹۳۔ تاج العروس، فصل الحاء من باب النون

۹۴۔ طبری، امام ابن جریر، جامع البیان، ج ۵ص ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۵۔ تفسیر القرطبی۔ ج ۵ ص ۱۴۵

۹۶۔ سورۃ النور : ۱

۹۷۔ احکام القرآن للجصاص، ج ۳ ص ۳۲۴

۹۸۔ صحیح بخاری

۹۹۔ اسد، علامہ محمد، اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار، لکھنؤ (ہندوستان) : ص ۴۲

۱۰۰۔ اسلام ایٹ دی کراس اوڈز، بحوالہ معارف، اعظم گڑھ) : دسمبر ۱۹۳۴ء، ص ۴۲۱

کتابیات

۱۔ قرآن الحکیم، لاہور : تاج کمپنی، ۱۹۷۵ء

۲۔ مودودیؒ، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، لاہور : مکتبہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۰ء

۳۔ ابن کثیر، عماد الدین ابو الفدا اسمٰعیل، تفسیر ابن کثیر، مصر : المنار، ۱۳۴۸ھ

۴۔ القشری، ابو الحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم، صحیح مسلم، مصر : محمد علی صبیح واولاد، ۱۹۵۴ء

۵۔ بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل الجعفی امام، الجامع الصحیح، مصر : منیریہ، ۱۹۵۷ء

۶۔ ترمذی، امام، الجامع شرح ابن عربی مالکی تقریر شیخ الہند، دیوبند : مکتبہ رحیمیہ، ۱۹۵۴ء

۷۔ ابو داؤد، امام، سنن ابو داؤد، مصر : مکتبہ التجاریہ الکبریٰ، ۱۳۶۹ھ

۸۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مصر البابی الحلبی، ۱۳۶۱ھ

۹۔ دارمی، امام، سنن دارمی، مصر : محمد احمد دہمان، ۱۳۵۶ھ

۱۰۔ امام مالک بن انسؒ الموطا بہ تصحیح مولانا ظہور احمد، کراچی : ادارہ مجلس علمی، ۱۹۵۰ء

۱۱۔ امام احمد بن حنبلؒ، المسند مع شرح احمد شاکر، مصر : دار المعارف، ۱۳۵۰ھ

۱۲۔ التبریزی، ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، کانپور : مطبع مجیدیہ، ۱۳۰۷ھ

۱۳۔ ابن حجر عسقلانی، حافظ، فتح الباری، مصر : البھیۃ المصریہ، ۱۳۴۸ھ

۱۴۔ الذہبی، حافظ شمس الدین ابی عبداللہ، تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد دکن : دائرۃ المعارف النظامیہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۳۳ھ
۱۵۔المنذری، امام، الترغیب والترهیب من الحدیث الشریف، مصر: المکتبہ دار الکتب، ۱۹۳۳ء
۱۶۔ابن سعد، طبقات الکبریٰ، بیروت: دار صادر، ۱۹۶۰ء
۱۷۔ابن حجر عسقلانی، حافظ، لسان المیزان، حیدر آباد دکن: مکتبہ نظامیہ، ۱۳۲۹ھ
۱۸۔ابن ندیم، الفہرست، مصر: المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ، ۱۳۴۱ھ
۱۹۔شبلی نعمانی، الفاروق، لاہور: شیخ مبارک علی، ۱۴۰۲ھ
۲۰۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصر: البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ
۲۱۔امین الحق، سید، بصائر السنہ، شیخوپورہ: مکتبہ محمدیہ، ۱۹۵۵ء
۲۲۔پرویز، غلام احمد، مقام حدیث، لاہور: ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۳۷ء
۲۳۔کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، حجیت حدیث، لاہور: پبلشنگ، ۱۹۶۸ء
۲۴۔اسماعیل سلفی، محمد، حجیت حدیث، لاہور: اسلامک ہاؤس، ۱۹۸۱ء
۲۵۔مصطفی سباعی، ڈاکٹر، سنت رسول، کراچی: مکتبہ چراغ راہ، ۱۳۳۸ھ
۲۶۔گوہر رحمٰن، حقیقت توحید وسنت، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۲ء
۲۷۔ندوی، محمد جعفر، مقام سنت، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۲ء
۲۸۔مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۲ء
۲۹۔پھلواروی، محمد جعفر شاہ، مقام سنت، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۴ء
۳۰۔عبداللہ بن زید آل محمود، سنت الرسول شقیقۃ القرآن، بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۹۸۶ء
۳۱۔الکبری، احمد موسیٰ، التاریخ العربی القدیم والسیرۃ النبویۃ، جدہ: دار الاصفہانی، ۱۹۸۰ء
۳۲۔وصی مظہر ندوی، مولانا سید، سیرت نبویؐ، قرآن کریم کی روشنی میں، حیدر آباد: مدرسۃ جامع اسلامیہ، ۱۹۸۳ء
۳۳۔عبدالعزیز محمدی، محمد، حسن البیان فیمانی سیرۃ النعمان، لاہور: اہلحدیث اکادمی، ۱۳۸۵ھ
۳۴۔الاعتصام، حجیت حدیث نمبر، ۱۷ فروری ۱۹۵۶ء
۳۵۔آمدی، سیف الدین ابی الحسن، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت: ۱۹۸۰ء
۳۶۔کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، خلافت راشدہ، لاہور: مکتبہ عثمانیہ،
۳۷۔بلخی، مولانا افتخار احمد، خلفائے راشدین، کراچی: المطبوعات، ۱۹۷۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۸۔ ابن منظور، لسان العرب، قاہرہ: دار المعارف، ۱۹۳۷ء
۳۹۔ عتر، نور الدین الدکتور، منہج النقد فی علوم الحدیث، دمشق: دار الفکر، ۱۹۸۱ء
۴۰۔ القاری، علی بن سلطان الحصروی، شرح نخبۃ الفکر، کوئٹہ: ۱۹۷۳ء
۴۱۔ کلیاب ابی البقاء عوالہ علوم الحدیث و مصطلحہ، مطبع الامیریہ، ۱۲۸۰ھ
۴۲۔ الحداد، محمد عاصم، فقہ السنۃ، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۱ء
۴۳۔ محمد امین تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، س۔ن
۴۴۔ کرم شاہ، پیر محمد، سنت خیر الانام، اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، ۱۹۹۱ء
۴۵۔ ابو داؤد، کتاب الاقضیہ، بیروت: دار الفکر، س۔ن
۴۶۔ ترمذی، امام، کتاب الاحکام، جلد اول، کراچی، س۔ن
۴۷۔ النسائی، عبد الرحمٰن احمد بن شعیب، سنن نسائی، لاہور: المکتبۃ السلفیہ، ۱۹۷۶ء
۴۸۔ شبیر احمد عثمانی، علامہ، فضل الباری، کراچی: ۱۹۷۳ء
۴۹۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرت مصطفیٰ، لاہور: مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۹۲ء
۵۰۔ مودودی، ابو الاعلیٰ سید، سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر، سنت نبوی کی قانونی حیثیت، لاہور: اکتوبر ۱۹۸۵ء، جلد دوم
۵۱۔ اسد، علاح محمد، اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار، لکھنؤ: س۔ن
۵۲۔ بجنوری، احمد رضا خاں، مقدمہ انوار الباری، شرح اردو صحیح بخاری، گوجرانوالہ: ۱۹۸۱ء
۵۳۔ مدنی، محمد بدر عالم سید، حجیت حدیث، لاہور: ۱۹۷۹ء
۵۴۔ عینی، بدر الدین ابی محمد، العلامہ عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری، دمشق: ۱۳۴۱ھ
۵۵۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۵ء
۵۶۔ نجم الدین سیوہاری، سیرۃ الشافعی، لاہور: دار الاشاعت پنجاب، ۱۸۹۹ء
۵۷۔ محمد امین الخانجی، الاحکام فی اصول الاحکام، مصر: مکتبۃ الخانجی، ۱۹۲۵ء
۵۸۔ سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، مصر: مکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، ۱۹۵۹ء
۵۹۔ ارسلان، محمد شہیر، القضاء والقضاہ، بیروت: دار الارشاد، ۱۹۶۹ء
۶۰۔ مودودیؒ، سید ابو الاعلیٰ، رسائل و مسائل، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

٦١۔ شافعی، ابو عبداللہ محمد بن ادریس، الام، الازھر: مکتبۃ الکلیات الازھریہ، ۱۹۶۲ء
٦٢۔ انور، قاضی محمد یونس، نماز مصطفی بار پنجم، لاہور: مرکز اشاعت التوحید والسنۃ، ۱۹۸۳ء
٦٣۔ شاشی، نظام الدین، خلاصہ الحواشی شرح اردو اصول الشاشی۔ کراچی: میر محمد کتب خانہ، ۱۹۸۴ء
٦٤۔ شافعی، امام محمد بن ادریس، کتاب الرسالہ، لاہور: قرآن محل، ۱۹۶۸ء
٦٥۔ مظاہری، اسلام الحق اسعدی، تذکرہ ائمہ اربعہ، کراچی: مکتبہ اسحاقیہ، ۱۴۰۳ھ
٦٦۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، سنت نبوی پر عمل واجب اور اس کا انکار کفر ہے۔ ریاض: دعوت وارشاد، ۱۹۸۴ء
٦٧۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، لاہور: ۱۳۴۱ھ

© rasailojaraid.com